دیباچہ معرفت

مرتبہ

عبدالقدوس رومی

ناشر :- عبدالقدوس رومی

طابع :- عبدالمجید

مطبع :- اسرار کریمی پریس الہ آباد

قیمت :- ۲=۵۰

فہرست مضامین

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہٗ ونصلے علےٰ رسولہ الکریمؐ

ناظرین رسالہ میں بہت سے حضرات غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ اب سے دس بارہ سال قبل الٰہ آباد سے ایک رسالہ "الاحسان" شایع ہوا کرتا تھا جو تقریباً تین سال تک نکل کر مالی مشکلات کا شکار ہو گیا اور بادلِ ناخواستہ اس کی اشاعت معرضِ التوا میں آ گئی۔

"الاحسان" میں مصلح الامۃ حضرت مرشدی دامت برکاتہم کے ارشادات عالیہ، تعلیمات شیخ (وصیۃ الاحسان) کے عنوان سے شایع ہوتے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ کے مواعظ و ملفوظات اور احوال الصالحین کی اشاعت کا بھی ایک سلسلہ قائم تھا۔

بعد کو رسالہ میں "مسائل شہریہ" کا ایک نیا سلسلہ قائم کیا گیا تھا اور حضرت حکیم الامۃ کی نادر تصنیف "اصلاح انقلاب" بھی قسط وار شایع کی جا رہی تھی جو رسالہ بند ہو جانے کی وجہ سے پوری شایع بھی نہ ہو سکی۔

پیش نظر رسالہ یعنی "دیباچۂ معرفت حصۂ اول" ان متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جو الاحسان کی پہلی جلد میں شایع ہوئے تھے۔

دوسری اور تیسری جلد میں شایع ہونے والے مضامین انشاء اللہ تعالیٰ دیباچۂ معرفت حصہ دوم میں آیندہ پیش کئے جائیں گے اور اگر خدا تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی تو اصلاح انقلاب کی تکمیل کر کے اس کو بھی یکجا کتابی شکل میں پیش کیا جائے گا۔

ملفوظات حضرت حکیم الامّت علیہ الرحمۃ

( ) فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا اب تو بالکل نظر نہیں آتے اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے۔ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندی رح کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارہ پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دبلے قد بھی اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انھوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا (کہ ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں تھیں جو نہایت صاف تھیں اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضرور نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اس نے مجھے ایک پرچہ دیا اس میں بھی یہ ہی عبارت تھی (کہ ہم نے تم کو عزت دی) اس میں بھی مہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے) اللھم زد فزد (القول الجلیل)

( ) ایک گفتگو کے سلسلے میں فرمایا مجھکو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میری سرمایۂ نجات ہے البتہ حیاۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں مگر لوگ اس کو اردو میں دیکھ کر بے وقعت سمجھتے ہیں اس کی قدر ان علماء کو ہو سکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون سا اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا اور پھر یہ کتاب ایک فہرست ہے ان اعمال کی کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی میں نے اس کو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے۔ اس کے لکھنے میں مجھ کو بہت تعجب ہوا میں اوّل اس کے مضامین کو لکھتا تھا پھر ان کو سہل کرتا تھا۔ اس کے بعد دیکھتا تھا کہ اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا۔ اور ہر ماہ میں اس کے میں دو ورق لکھا کرتا تھا اور وہ دو ورق بھی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودہ میں لکھے جاتے تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے بہشتی زیور کے سہل

ہونے کی تعریف فرمائی اُس پر فرمایا کہ اس کے اندر تو فروعی مسائل ہیں اُس کی تسہیل چنداں دشوار نہیں اور اُس کے اندر احادیث کی شرح کی گئی ہے مگر ایسی شرح کی گئی ہے کہ جس سے سارے اشکالات کا حل ہو گیا اگر کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو وہ اسی کے پڑھنے سے حل ہو جائے گا اور اسی کو قدر بھی ہو سکتی ہے ورنہ اور کوئی کیا قدر کر سکتا ہے میرا تو ارادہ تھا کہ میں ایک بار حیاۃ المسلمین کو خود پڑھا دیتا مگر ہجوم کے احتمال پر موقوف کر دیا مسلمانوں کو جتنی ذلت اور پریشانی آجکل ہو رہی ہے اس کتاب میں ان سب کا علاج ہے۔ پھر ایک صاحب نے ملفوظ مسمّی سلسبیل کی تعریف فرمائی اور اس کے بعد اس سے مختصر اسی باب کا جو ایک ملفوظ ہے مسمّی المیم فی السم اس کی بھی تعریف فرمائی تو حضرت نے جواباً ہنس کر فرمایا کہ میں اس اخصر کو ایک رسالہ کہا کرتا ہوں ایک رسالہ تو میرا بارہ۱۲ جلدوں میں ہے یعنی تفسیر اور ایک رسالہ یہ ہے کہ بارہ۱۲ سطروں کا بھی نہیں مگر میزان کل ہے تمام سلوک کی لیکن اس میزان کل کی قدر اسی کو ہوگی کہ جس نے پوری چھان بین کی ہو اور پوری تفصیل دیکھی ہو ورنہ کیا کوئی قدر کر سکتا ہے اس میں کوئی بات سلوک کی رہی نہیں۔

(۵) ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ بھی اس قدر مفید ہے کہ کیا ٹھکانا۔ فرمایا کہ خیر پاس بیٹھنے والوں کو تو معلوم ہو ہی گا مگر مجھ کو تعجب ہوا ایک صاحب کہتے تھے کہ مجھ سے کلکتہ میں ایک شخص نے جو احمد رضا خانصاحب کے معتقد تھے یا مرید تھے آپ کے متعلق دو عجیب باتیں کہیں ایک تو یہ کہ تم جو اس کو دیوبندیوں کی جماعت میں سے کہتے ہو یہ غلط ہے بلکہ وہ تو ہماری جماعت میں سے ہے دوسری بات اُنھوں نے یہ کہی کہ اُنھوں نے جو یہ مسئلہ اختیاری اور غیر اختیاری کا بیان فرمایا ہے یہ مسئلہ صدیوں سے مخفی تھا اور کسی کو اس کا علم نہ تھا پھر حضرت نے فرمایا کہ مجھکو ان کی سمجھ پر تعجب ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساری چیزیں اس شخص کی دیکھی ہوئی ہیں مگر ایک بات اُنھوں نے ناسمجھی کی کہی کہ یہ دیوبند کی جماعت سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل میں میرے عنوان کو تعصب سے خالی دیکھکر یہ بات کہی اپنے نزدیک وہ حضرات دیوبند کو سخت سمجھے ہوئے ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ اختیاری غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت بلکہ کُل سلوک ہے۔ فرمایا جی ہاں اگر کُل سلوک کہا جاوے تو بھی شاید بجا ہو۔

(۶) خواجہ عزیز الحسن صاحب نے فرمایا کہ ایک بار حاجی بشیر احمد صاحب لکھنوی نے فلاں مولوی صاحب کے سامنے جو وہاں کے مشائخ میں سے ہیں کچھ میرے اشعار پڑھے تو اُنھوں نے حضور کے متعلق فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اور خواجہ صاحب اپنے وقت کے امیر خسرو ہیں۔ فرمایا کہ

خیر یہ خوشی کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور اس سے زیادہ شہادتیں موجود ہیں مگر واللہ تعالیٰ ان چیزوں سے کوئی خاص حظ نہیں ہوتا اس واسطے کہ نہ معلوم حق تعالیٰ کی نظر میں ہم کیسے ہیں اس احتمال کے ہوتے ہوئے خلق کی مدح سے کیا حظ ہو سکتا ہے۔ اگر طبعی خوشی ہوتی بھی ہے تو بھی اس کی عمر زیادہ سے زیادہ دو تین سکنڈ ہوتی ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ فرض کیجئے ایک دولہن ہے جو نہایت حسین وجمیل ہے ہر قسم کی پوشاک اور ہر قسم کے زیور سے آراستہ ہے مگر اس کا شوہر اس سے راضی نہیں وہ شوہر کو اچھی معلوم نہیں ہوتی تو اب آپ غور کیجئے کہ اس کو دوسرے لوگوں کے اچھا سمجھنے سے کیا خاک خوشی ہو سکتی ہے اور ایک دولہن ایسی ہے کہ نہایت بدشکل کالی ہے اور بہتیرے عیب بھی اُس میں ہیں مگر اس کا شوہر اس سے خوش ہے اور وہ اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہوتی ہے تو اس کو ذرہ برابر بھی اس کی پروا نہ ہوگی کہ کوئی اس کو کیا سمجھتا ہے تو پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہو کیونکہ وہ جانتی ہے کہ مجھ کو جس سے سابقہ پڑتا ہے وہ تو مجھ سے خوش ہے اس لئے وہ مسرور ہوگی اسی طرح جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ اللہ میاں بھی ہم سے خوش ہیں یا نہیں اس وقت تک کیا کسی کو اطمینان ہو سکتا ہے اور اس کی کسی کو خبر نہیں کہ اللہ میاں ہم سے خوش ہیں یا ناخوش پھر حظ کیسا۔ پھر فرمایا کہ ایسا شخص جو اس فکر میں ہو تو اپنے آپ کو کسی ادنیٰ شخص سے بھی اچھا نہیں سمجھ سکتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ شخص مسلمان کو تو اپنے سے جزماً فی الحال اچھا سمجھتا ہے اور کافر کو احتمالاً فی المآل۔ (القول الجلیل)

(۷) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ طریق بالکل مردہ ہو چکا تھا لوگ بیحد غلطیوں میں مبتلا تھے بحمد اللہ اب سو برس تک تو تجدید کی ضرورت نہیں رہی اگر پھر خلط ہو جائے گا تو پھر کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے گا ہر صدی پر ضرورت ہوتی ہے تجدید کی اس لئے کہ مدت کے بعد نری کتابیں ہی کتابیں رہ جاتی ہیں اب تو خدا کا فضل ہے کہ وضوح ہو گیا اور کتابیں فی نفسہ تو کافی ہیں مگر لوگ اُس میں تحریفیں کر لیتے ہیں اور کتابیں تو درکنار قرآن پاک کو ہدی اور بینات فرمایا گیا ہے مگر اُس میں بھی دیکھ لیجئے کہ لوگ معانی اور مطالب میں کس قدر گڑبڑ مچا دیتے ہیں۔ (افادات یومیہ حصہ سوم)

(۸) فرمایا کہ درود کا مخفف جو لوگ لکھتے ہیں (صلعم) یہ مناسب نہیں گویا یہ درود سے ناگواری اور تنگی کی دلیل ہے۔ اور اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھے اور نہ زبان سے درود پڑھے اور نہ پورا درود کا صیغہ لکھے تو صرف صلعم لکھنا بالکل ناکافی ہے بلکہ پورا درود لکھنا یا زبان سے کہنا واجب ہے۔ پھر رضی اللہ عنہ کا مخفف (رضہ) جو لوگ لکھتے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ مراتب کے تفاوت سے شاید کچھ تفاوت ہو جاوے مگر نفس حکم تو مشترک ہے۔ ایک مولوی صاحب

نے حکایت سُنائی کہ جس شخص نے اوّل اوّل صلعم لکھا تھا تو اُس نے شب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ جیسے تو نے میرے درود کو قطع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو قطع کرے چنانچہ صبح ہی کوئی واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا ہاتھ قطع کر دیا گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جیسا کہ لوگوں نے حضورؐ کے درود میں اختصار کر لیا ہے اگر ایسا ہی اختصار کا برتاؤ حضورؐ بھی ہمارے ساتھ کرنے لگیں تو پھر بھلا ہمارا کہاں ٹھکانا ہے میرے نزدیک درود میں ایسا اختصار کرنا مناسب نہیں اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ صلعم لکھنا کافی نہیں اس وقت متعدد مشاہیر حضرات اہل علم تشریف رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں اظہار رائے فرما رہے تھے اس وقت فرمایا کہ یہ موقع ادب کا ہے حضورؐ کے حقوق ہم پر بے حد ہیں میں اس میں زیادہ کاوش کو مناسب نہیں سمجھتا پھر فرمایا میں نے اس کاوش کے متعلق ایک عجیب قصہ سُنا ہے ایک صاحب حاجت سیّد کسی عالم کے یہاں گئے اور ان سے اپنی حاجت کا اظہار کیا اور امداد چاہی اور ظاہر کیا کہ میں سیّد ہوں اُنھوں نے کہا کیا دلیل ہے کہ تم سیّد ہو اُنھوں نے کہا کہ دلیل تو کچھ نہیں میں آپ ہی کہہ رہا ہوں اُنھوں نے کوئی امداد نہیں کی۔ رات کو اُنھوں نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور اُن کو شدّت کی پیاس لگی ہے اور کہیں پانی نہیں تو اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حوض کوثر پر اُمت کو پانی پلا رہے ہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں بھی پانی پینا چاہتا ہوں۔ فرمایا تم کون ہو عرض کیا آپ کا اُمتی ہوں۔ فرمایا کیا دلیل ہے اس کی کہ تم ہمارے اُمتی ہو عرض کیا یا رسول اللہ دلیل تو کچھ بھی نہیں بس خود عرض کر رہا ہوں فرمایا خود تمہارا قول کیسے حجت بن سکتا ہے جبکہ ہماری اولاد کا خود قول حجت نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ بال جو بعض جگہ موئے مبارک کے نام سے پایا جاتا ہے اس کے متعلق زیادہ کاوش نہیں چاہئے۔ اُس سے کوئی حکم شرعی تو متعلق ہے نہیں محض زیارت سے برکت حاصل کرنا ہے سو اس کے لئے دلیل ضعیف بھی کافی ہے۔

( ) فرمایا زمانۂ تحریکات (خلافت) میں ایک مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دوسرے مولوی صاحب نے میرے متعلق یہ کہا کہ یہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہے راوی نے ان سے پوچھا کہ سچ سچ کہو کہ کیا واقعی تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں کہنے لگے کہ حاشا وکلا میرا یہ ہرگز خیال نہیں کہا پھر کیوں کہتے ہو کہنے لگے کہ اپنی آواز کو زوردار بنانیکی غرض سے۔

ملفوظات حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ

( ) ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہوں ...... تو کوئی کام یاد آجاتا ہے جس کا انجام دینا فوراً مناسب ہوتا ہے تو کیا ایسی حالت میں ذکر ترک کر کے اس کام کو انجام دیا جا سکتا ہے یا ذکر کو ترک نہ کرے اور اس کام کو بعد فراغ کے انجام دے لے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ ایسا اتفاق کبھی کبھی ہوتا ہے یا اکثر۔ اگر کبھی کبھی ہو تب تو پہلے اس کام کو کر لے اسکے بعد اپنا معمول ادا کرے اور اگر اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھتا ہے تب ہی کوئی نہ کوئی کام یاد آتا ہے تو ایسی حالت میں ہرگز ذکر کو ترک نہ کرے بلکہ اسکو وسوسہ سمجھے اور اپنا ورد پورا کرنے کے بعد اس کام کو انجام دے لے۔

(۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل اس نیچریت نے لوگوں کو زیادہ بداعتقاد بنا دیا ہر بات کو عقل پر جانچتے ہیں بیچاری عقل بھی تو مخلوق ہی ہے یہ کہاں تک تیر لگائے گی اور کیا خالق کے احکام کا احاطہ کر سکتی ہے اسکا مبلغ پرواز ایک حد تک ہے اُس سے آگے وہ معطل ہے۔ احکام کے راز اور اسرار کو عقل سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے مثلاً جبر و قدر ہی کے مسئلہ کو دیکھ لیجئے کہ وہاں تک کسی کی عقل کو رسائی نہیں ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں خوض و بحث سے روک دیا ہے کسی ایسے ہی مسئلہ کے متعلق کسی نے ایک بزرگ سے دریافت کیا تھا خوب فرمایا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　　بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ حاکم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں جو کچھ کرتے ہیں اسی میں بندہ کیلئے مصلحت ہوتی ہے۔

(۲) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ایسی خشکی بھی نہیں چاہئے کہ جس سے سوء ادب لازم آئے جیسا کہ ایک نجدی کا واقعہ ہے کسی مجوز توسل سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتے ہو اس کا کوئی بھی اثر نہیں اور اس کے بعد یہ کیا کہ ایک اونٹ بیٹھا تھا اُس سے خطاب کیا کہ میں تجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں تو کھڑا ہو جا وہ نہیں کھڑا ہوا پھر ایک ڈنڈا مارا تو کھڑا ہو گیا کہنے لگا یہ ڈنڈا زیادہ مؤثر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے۔ دیکھئے یہ کیسا بُرا عنوان ہے۔ اُس مجوز نے جواب میں یہ کیا کہ ایک بیٹھے ہوئے اونٹ سے کہا کہ میں تجکو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کھڑا ہو جا وہ نہیں کھڑا ہوا پھر ایک ڈنڈا مارا تو کھڑا ہو گیا اور کہا کہ کیا ڈنڈا اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے بھی زیادہ موثر ہے۔ افراط و تفریط دونوں ممنوع

ہیں یہ باتیں جہل کی بدولت ہوتی ہیں۔ جہل بہت ہی بُری چیز ہے یہ کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ کانپور کا واقعہ ہے کہ میرے پاس دو شخص آئے ایک مولوی صاحب اور ایک عامی۔ باہمی جھگڑا یہ تھا کہ مولوی صاحب تو یہ کہتے تھے کہ حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ یہ کو قطعی جنّتی نہیں سمجھنا چاہئے اور وہ جاہل کہتا تھا کہ جب وہ جنتی نہیں تو اور کون جنّتی ہوگا۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ عام لوگوں سے ایسے واقعات میں گفتگو کرنا ہی مناسب نہیں یہ لوگ خالی الذہن ہوتے ہیں ان کا سمجھانا مشکل ہے بخلاف اہل علم کے کہ اُن کے ذہن میں مبادی ہوتے ہیں اُن کا سمجھا دینا آسان ہے اور میں نے اُس شخص سے کہا کہ میاں واقعی اگر وہ جنّتی نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا۔ اس میرے کہنے پر مولوی صاحب کو پریشانی پیدا ہوئی اور سوچنے لگے کہ کیا دلیل بیان ہوگی جنتی ہونے کی۔ پھر میں نے اُس شخص سے دریافت کیا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی جنتی ہیں یا نہیں اُس نے کہا کہ یقیناً جنتی ہیں میں نے دریافت کیا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا کیسے ثابت ہوا کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا جنتی ہونا کیسے ثابت ہوا کہا کہ اولیا امت کی شہادت سے میں نے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اولیا کے ارشاد میں کچھ فرق سمجھتے ہو یا نہیں کہا کہ زمین و آسمان کا فرق ہے میں نے دریافت کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اولیا کے دونوں کے ارشاد میں فرق سمجھتے ہو تو اُن کے اثر میں بھی فرق سمجھتے ہو کہا کہ ضرور میں نے دریافت کیا کہ تو پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور حضرت غوث پاک رحمہ کے جنتی ہونے میں بھی وہی فرق سمجھتے ہو گے کہا کہ ہاں۔ تب میں نے مولوی صاحب سے خطاب کیا کہ لیجئے حضرت جو عقیدہ آپ کا ہے وہی اس شخص کا بھی ہے فرق دونوں میں صرف عنوان کا ہے۔ یہ جسکو یقین کہتا ہے آپ اُس کو غلبۂ ظن کہتے ہیں مگر بات ایک ہی ہے۔ اس پر مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب عوام الناس کو بلا ضرورت اور بلا وجہ پریشان کرنا اور متوحش بنانا اور بدون دلیل کے اُن پر بدگمانی کرنا اور سوء ظن کرنا جائز نہیں۔ دیکھئے اصل مقصد میں دونوں متفق تھے اسلئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے سے حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے جنتی ہونے کا درجہ کم تر سمجھتا تھا۔ اسی فرق کا نام عدم قطعیت ہے۔ جس پر مولوی صاحب اُس سے الجھ رہے تھے حدود کے نہ سمجھنے سے اِس قسم کی تشویشات پیدا ہوتی ہیں۔

(۳) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ اہل بدعت ہمیشہ اہل حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور یوں ہی ارٹنگ بڑنگ ہانکتے رہتے ہیں ایک سب انسپکٹر میرے ایک وعظ میں شریک تھے وعظ کے بعد انھوں نے مجھ سے گیارہویں کے متعلق سوال کیا میں نے کہا کہ بدعت ہے کہنے لگے آپ اِس کو بدعت کہتے ہیں اور

فلاں مولوی صاحب اِس کو اچھا بتلاتے ہیں تو ہم کیا کریں۔ میں نے کہا کہ جیسے ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کبھی اُن سے تو یہ کیا ہوتا کہ تم اچھا کہتے ہو اور فلاں اس کو بدعت کہتے ہیں ہم کیا کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں نیت کرنے کی خود ہے اور دوسروں کو آڑ بنلاتے ہو پھر کچھ نہیں بولے۔

(۴) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علماء کو علاوہ پڑھنے پڑھانے کے اور بھی کوئی کام آنا چاہئے جو ذریعۂ معاش ہو سکے بدون ظاہری وجہ معاش کے لوگ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس ذلت سے بچنے کے لئے مولویوں کو کوئی کام دستکاری وغیرہ سیکھنا چاہئے۔ پھر سیکھنے کے بعد چاہے اُس سے کام نہ لیں مگر سیکھ ضرور لیں اہل علم کی ذلت کسی طرح گوارا نہیں ہوتی آجکل بد دینوں کا زمانہ ہے اہل دین اور علم دین کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں۔ بحمد اللہ یہاں پر اگر تو سب کا مزاج درست ہو جاتا ہے خرد ماغوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طلبہ اور اہل علم میں بھی اسپ دماغ ہیں۔ میں جو اہل دنیا خصوص اہل مال سے اِس قسم کا برتاؤ کرتا ہوں جسکو لوگ خشکی کہتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے دماغوں میں خناس بھرا ہے اُن کے دماغوں کو درست کرتا ہوں۔ اگر اہل علم اور اہل دین ان کے دروازوں پر جانا چھوڑ دیں تو ایک دن میں اُن کے دماغ صحیح ہو جائیں اور یہ پھر خود انکے دروازوں پر آنے لگیں۔ خصوص اہل مدارس اگر ذرا صبر سے کام لیں تو یہ خرابی نہ رہے۔ بڑے پیمانہ پر اہل دنیا خصوص اہل مال کے دماغ درست ہو جائیں۔ مجھے اہل علم کی ذلت ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں مگر دل میں دل کس طرح ڈالوں۔

(۵) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے زمانہ کے بدعتی بھی اللہ اللہ کرنے والے ہوتے تھے مجھکو اکثر سے ملنے کا اتفاق ہوا اُن میں شرارت نہ تھی جیسے آجکل کے اکثر بدعتی شریر ہیں بلکہ بعضے فاسق اور فاجر تک ہیں اُن کو کبائر تک میں ابتلا ہے اور ایک بات اُن بزرگوں میں اور بھی تھی کہ دکاندار نہ تھے اور اہل علم سے نفرت نہ تھی اہل علم کا ادب و احترام قلب میں تھا۔ آجکل کے اکثر بدعتیوں میں یہ سب باتیں مفقود ہیں۔ ہمارے ایک ماموں صاحب صوفی تھے اُن کا قدم تصوف میں درجۂ غلو تک پہنچ گیا تھا مگر مولانا شہید رحمہ اللہ کے عاشق تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ پیرزادے جو حضرت شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بُرا کہتے ہیں محض اس وجہ سے کہ انکی وجہ سے اُن کی روٹیوں میں کھنڈت پڑ گئی۔ بھلا جس شخص نے اپنا مال اور جان سب اللہ کے واسطے صرف کر دیا ہو کیا اُس کو بُرا کہا جائے اور اُس پر طعن کیا جائے۔ ماموں صاحب میں یہ بات خاص تھی کہ تارک الدنیا سے اُن کو عشق کا درجہ ہوتا تھا۔ یہ اُس وقت کے بدعتیوں کی حالت تھی اب تو نہایت ہی بد دین ہیں۔ دلوں میں اہل علم سے بغض و عداوت ہے شب و روز فسق و فجور میں ابتلا ہے امرد پرستی تو اُن کی مثل شیر و شکر کے ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

(۶) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آجکل عدل اور حفظِ حدود کی بیحد کمی ہے مجھ کو بحمد اللہ

اس کا بڑا خیال رہتا ہے مثال کے طریق پر ایک بات عرض کرتا ہوں گو بظاہر ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ جب کوئی طالب علم داخل ہونے آتا ہے تو میں خود اُس کو ساتھ لیکر اُستاد کے سپرد کر کے آتا ہوں۔ اُستاد کو یہاں پر بلا کر سپرد نہیں کرتا اس میں اُن کے احترام اور اعزاز کو ملحوظ رکھتا ہوں اور کبھی کبھی جو بلا لیتا ہوں وہ اس لئے کہ کہیں اُن میں عُجب نہ پیدا ہو جائے اور یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ہم میں بھی مخدومیت کی شان ہے یہ باب تربیت بھی نہایت ہی دقیق ہے ہر بات کی دقیق دقیق رعایت کرنی پڑتی ہے۔

(۷) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہمارے قریب میں ایک قصبہ ہے جلال آباد وہاں پر ایک جبہ شریف ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اُس کی زیارت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شیخ محمد صاحب کیا کرتے تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کے متعلق میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی وقت میں زیارت میسر آنا ممکن ہو تو ہرگز دریغ نہ کریں بتلائیے یہ باتیں وہابیت کی ہیں۔ اِن بدعتیوں میں دین تو ہوتا نہیں جس طرح جی میں آتا ہے جسکو چاہتے ہیں بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں خود تو بددین دوسروں کو بددین بتلاتے ہیں۔ میں تو مولانا فیض الحسن صاحب کا قول نقل کیا کرتا ہوں کہ بدعتی کے معنی ہیں "باادب بے ایمان" اور وہابی کے معنی ہیں "بے ادب باایمان" مولانا بڑے ظریف تھے کیا لطف کی تفسیر کی۔

(۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اپنے بزرگ بحمداللہ بے نظیر جامع کمالات تھے چنانچہ باوجود اس کے کہ مولانا فیض الحسن صاحب بہت بڑے ادیب ہیں جلالین پر اُن کا حاشیہ بھی مشہور ہے وہ چھپا ہوا میرے پاس بہت دنوں تک رہا بھی ہے مگر اُس میں کوئی خاص عجیب تحقیق نظر نہیں آئی اور مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے ادیب مشہور نہ تھے مگر مولانا کی تقریرات سے جو بہت سے مقامات مجکو منضبط بھی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ عربیت سے اس قدر مناسبت تھی کہ دیکھنے والا بھڑک جاتا ہے چنانچہ اس وقت ایک مقام یاد آگیا آیت الزانیۃ والزانی اور آیت السارق والسارقۃ کے متعلق الزانیۃ کی تقدیم اور السارق کی تقدیم کے بارہ میں مشہور سوال ہے جس کا سب سے لطیف جواب یہ منقول ہے کہ سرقہ کی بناء جرأت ہے اور وہ مرد میں زیادہ ہے اور زنا کی بناء شہوت ہے جو عورت میں زیادہ ہے مگر اس جواب میں یہ خدشہ ہے کہ اس فرق کو بناء کہتے ہیں تو مجرم کی ایک قسم کی معذوری کا اظہار ہے اور یہ مقام ہے تقبیح کا۔ اب مولانا کی توجیہ سنئیے فرماتے ہے کہ سرقہ کا صدور مرد سے زیادہ عجیب و قبیح ہے کہ وہ کما کر کھا سکتا ہے اور عورت میں عفت و شرم و حیا زیادہ ہوتی ہے اُس سے زنا کا صدور زیادہ عجیب و قبیح ہے میں نے کسی تفسیر میں یہ بات نہیں دیکھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنی ہو مولانا سے میں نے جلالین کے

بیس پارے پڑھے ہیں اکثر مقامات میں ایک عجیب بات ارشاد ہوتی تھی گو اب سب یاد نہیں رہا مگر کچھ کچھ یاد ہے اور پھر باوجود اِن کمالات کے یہ حالت تھی کہ اپنے کو بالکل مٹائے ہوئے اور فنا کئے ہوئے تھے اور آجکل اکثروں کی یہ حالت ہے کہ نہ علوم ہیں نہ عمل نہ کوئی تحقیق ہے نہ کوئی تدقیق ہے مگر ویسے ہی جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں دیکھئے ہمارے بزرگ جو ہر طرح پر صاحب کمال تھے اُن کو جو کچھ بھی خطابات دیئے جاتے اور جن القاب سے یاد کیا جاتا تھوڑا تھا مگر اُن حضرات کا انتہائی لقب مولانا تھا ورنہ اکثر مولوی صاحب کہلاتے تھے اور آجکل ان لوگوں کو اُن سے کچھ بھی نسبت نہیں وہ شیخ الحدیث۔ شیخ التفسیر۔ امیر الہند۔ امام الہند کہلانے لگے یہ سب نئی ایجاد ہے البتہ شیخ الاسلام پُرانا لقب ہے اِس سے طبیعت میں انقباض نہیں ہوتا اور خیر یہ القاب تو پھر بھی علم سے تعلق رکھتے مگر آجکل تو جانوروں تک کے خطابات باعث فخر اور پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں ایسی حیوانیت کا غلبہ اس زمانہ میں ہو گیا ہے۔ مثلاً طوطیٔ ہند۔ بلبل ہند۔ شیر پنجاب۔ معلوم ہوتا ہے اب کچھ دنوں کے بعد فیل ہند اسپ ہند گرگ ہند پیدا ہوں گے۔ کیا خرافات ہے خدا بھلا کرے اِس جاہ کا اس نے اندھا بنا رکھا ہے اور سُنئیے کہ ان میں لکھے پڑھے بھی نہیں مگر امام التفسیر شمس العلماء۔ یہ خطابات اور القاب سب نیچریت کے ماتحت ہیں لوگوں کو اِن باتوں میں کچھ مزا آتا ہے استغفراللہ۔

(۹) ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اتباع سنت بڑی چیز ہے۔ مجدد صاحبؒ نے ایک کام کی بات بیان فرمائی کہ کسی شخص میں اگر دو چیزیں ہیں اتباع سنت اور حبِ شیخ وہ بزعم خود کتنی ہی ظلمات میں مبتلا ہو وہ ظلمات نہیں اور اگر یہ دونوں چیزیں نہیں تو وہ بزعم خود کتنے ہی انوار میں محاط ہو وہ انوار نہیں" اور یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ اتباع سنت وہ ہے کہ بلا چون وچرا ہو۔ اس کے متعلق بھی مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ "شرائع میں حکمت کا تلاش کرنا گویا یہ مرادف ہے انکار نبوت کا۔ اگر نبی کو نبی سمجھتا ہے تو پھر مصالح کے جاننے کا انتظار کیوں ہے مگر جب انتظار ہے تو یہ شخص اپنی عقل کا متبع ہوا نبی کا متبع نہ ہوا" اور آجکل اس کو فلاسفی قرار دے رکھا ہے فرمایا کہ جو برتاؤ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے ہیں اور آپ کے احکام میں حکمتیں تلاش کرتے ہیں۔ اگر ہمارا نوکر یا غلام ہمارے کاموں کی حکمتیں پوچھنے لگے مثلاً اُس سے کہا جائے کہ ایک گھنٹہ یہاں بیٹھو وہ پوچھے اس میں کیا حکمت ہے تو آپ کی طرف سے غلام کو کیا جواب ہوگا تو گویا یہ شخص اپنے غلام کو تو غلام سمجھتا ہے اور اپنے کو حضورؐ کا غلام نہیں سمجھتا۔ یہی فرق نکل سکتا ہے۔

حکمت

اِس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی	مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے	ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

انتخاب ملفوظات حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمتہ

فرمایا میں نے بزرگان سلف کے تذکرہ دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آجکل کے اکثر مشائخ کا ہے۔ ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور۔ بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ طہارت اور اتباع سنت میں صحابہ کا سا تھا چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایکبار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسولؐ کا دعویٰ اور سنت رسولؐ کا ترک۔ آپنے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرونگا اور لکھا ہے کہ آپکی یہ حالت تھی کہ جہاں آگ دیکھتے تو کانپ اٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اسکی سزا نہ ہو۔ تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہ کا تھا۔ البتہ نفس کشی کیلئے جیسے مجاہدات شاقہ ان بزرگان سلف سے منقول ہیں صحابہ نے کم کئے ہیں گو صحابہ کا مذاق بھی تہذیب نفس کے بارہ میں وہی تھا جو ان بزرگوں کا تھا مگر صحابہ نے جو ایسے مجاہدات زیادہ نہیں کئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کو ایسے مجاہدات کی حاجت نہ تھی۔ کیونکہ اول تو صحابہ کی استعداد قوی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض صحبت اسوجہ سے صحابہ کی وہ شان تھی جیساکہ کسی نے کہا ہے

آہن کہ بپارس آشنا شد[۵] | فی الحال بصورت طلا شد

اب رہی یہ بات کہ جب صحابہ کو حاجت نہ تھی ایسے مجاہدات کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بدرجہ اُولیٰ حاجت نہ ہوگی ایسے مجاہدات کی تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے مجاہدات کیوں منقول ہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ایسے مجاہدات کئے ہیں تو اسکی غرض تہذیب نفس اور معالجہ نفس نہ تھی بلکہ وجہ اسکی ذوق وشوق تھی اور جیسے حضرات صحابہ کو بوجہ قوت استعداد اور فیض صحبت ایسے مجاہدات کے اختیار کرنیکی ضرورت نہ تھی اسی طرح اب بوجہ ضعف تحمل ایسے مجاہدات کی ضرورت نہیں کیونکہ اب لوگوں کے قویٰ ضعیف ہیں اب ایسے مجاہدات کا تحمل نہیں ہوسکتا بلکہ ایسے مجاہدات کی وجہ سے صحت خراب ہوکر جو کچھ اعمال اس سے پہلے ہو بھی جاتے تھے وہ بھی ترک ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل چیز اعمال ہی ہیں۔ مجاہدات اور ریاضات تو ان ہی کی تکمیل کا ذریعہ ہیں اور حق تعالیٰ کا فضل اس پر موقوف نہیں کہ اس زمانہ میں بھی بزرگان سلف جیسے شدید مجاہدے کئے جاویں بلکہ اس زمانہ میں حق تعالیٰ کا فضل بقدر اپنے امکان کوشش کرنے سے متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے اب جسکو جتنا امکان ہو اتنا ہی مجاہدہ اس کے لئے کافی ہے۔ البتہ اتباع شریعت تو ہر شخص کیلئے ہر زمانہ میں یکساں ضروری ہے بغیر اس کے وصول الی اللہ نہیں ہوسکتا۔

فرمایا بعض سالکین جو ذکر کرکے اسکے طالب اور متوقع ہوتے ہیں کہ ان کو ذوق وشوق ویکسوئی وغیرہ حاصل ہو اور جب یہ چیزیں انکو حاصل نہیں ہوتی ہیں تو وہ تنگدل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے فائدہ ہی کیا ہوا سو یہ

[۵] لوہا جو پارس پتھر سے ملا فوراً سونا بن گیا۔

ان کی غلطی ہے اس لئے کہ ذکر کے ثمرے دو ہیں ایک ثمرۂ آجلہ اور دوسرا عاجلہ (وغیرہ الا نوری) ثمرۂ آجلہ تو رضائے حق ہے اور وہ رضا ذکر سے حاصل دنیا ہی میں ہو جاتی ہے۔ مگر ظہور اس کا آخرت میں ہوگا اور ثمرہ عاجلہ احوال و کیفیات ہیں جیسے ذوق و شوق و یکسوئی وغیرہ تو ذکر سے جس ثمرہ کا حصول یقینی ہے اور ذکر پر جس ثمرہ کے مرتب کرنے کا حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے وہ ثمرہ صرف ثمرۂ آجلہ یعنی رضائے حق ہے باقی رہے ثمرات عاجلہ سو اُن کا حق تعالیٰ کی طرف سے نہ وعدہ ہے نہ انکا حاصل ہونا یقینی ہے۔ پس جس ثمرہ کا حصول نہ یقینی ہو نہ اسکی عطاء کا وعدہ ہو اس کے حاصل نہ ہونے پر تنگدل ہونا گویا اسکی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے کوئی شخص کسی کی دعوت کرے کہ تمہاری فلاں دن دعوت ہے اور جب دعوت کا دن آئے اور یہ مہمان اس کے پاس جائے تو وہ اس کی بہت خاطر کرے اور خوب اچھے اچھے کھانے کھلائے اور جب یہ مہمان کھانا کھا چکے اور میزبان کے پاس سے رخصت ہونے لگے تو بجائے اس کے کہ اپنے میزبان کا شکریہ ادا کرے الٹی شکایت کرنے لگے کہ آپ نے مجھ کو کھانا تو کھلا دیا مگر کچھ نقد تو دیا ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اس مہمان کو ملامت کرے گا اور کہے گا کہ نقد کا اس نے وعدہ ہی کب کیا تھا جو تو اس کے نہ ملنے پر میزبان کی شکایت کرتا ہے۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ نے ایک شخص پر اپنا احسان فرمایا کہ اس کو ایک ایسے عمل کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے وہ حق تعالیٰ کی رضا کا مستحق ہو گیا تو اس پر تو یہ واجب ہے کہ حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے نہ یہ کہ دوسری چیزیں جن کا حق تعالیٰ کی طرف سے وعدہ بھی نہ تھا ان کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگدل ہو اور حق تعالیٰ کی شکایت کرے۔

فرمایا جو لوگ مدعی تصوف ہیں اور مقتدا کہلاتے ہیں اور اپنے مجمع کی رونق بڑھانا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے اپنے پاس والوں کو امر بالمعروف اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ مبادا یہ لوگ ناخوش ہو کر ہم کو لوگوں میں سخت نہ مشہور کر دیں اور مبادا ہمارے پاس یہ لوگ آنا بند کر دیں تو ان کو چاہیئے کہ سوچیں کہ جب وہ قبر میں تن تنہا ہوں گے اور کوئی ان کا مونس و غمگسار نہ ہوگا تو کیا اس وقت بھی اس مجمع سے رونق حاصل کی جا سکے گی۔ اگر جواب نفی میں ہو تو پھر جس چیز سے وہاں رونق حاصل ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت بس اسی چیز سے یہاں بھی اپنی رونق بڑھانی چاہیئے۔ بس وہ چیز یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت رونق بڑھانے کے لئے کافی ہے لہٰذا جس شخص کے اندر جو بات قابل اصلاح ہو اسکی اصلاح کی طرف سے بے پروائی نہ کرنا چاہیئے خواہ مجمع گھٹے یا بڑھے۔

ایک بار حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے اسکی حد بیان فرمائی کہ مرید کو اپنے شیخ کا کہانتک اتباع کرنا چاہیئے تو فرمایا کہ جب تک اس کا شیخ اسکو کسی خلاف شرع بات کا حکم نہ دے اسوقت تک مرید کو اس حکم میں شیخ کا اتباع چاہیئے۔ پھر فرمایا کہ خلاف شرع سے مراد مکروہ اور حرام ہے باقی رہا خلاف اولیٰ سو وہ مراد نہیں یعنی اگر شیخ اپنے مرید کو کسی خلاف اولیٰ کا حکم کرے تو مرید کو چاہیئے کہ اس حکم میں وہ اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے بلکہ اس حکم کو بجالائے گو وہ خلاف اولیٰ ہی ہو۔

فرمایا اصل مقصود رضا ہے محض وصول مقصود نہیں یعنی جو وصول حق تعالیٰ کا حق تعالیٰ کی رضاء کے ساتھ نہ ہو وہ وصول مقصود نہیں. بلکہ وصول وہی مقصود ہے جس کے ساتھ رضا بھی ہو اور وصول بلا رضا کی مثال ایسی ہے کہ دہلی کے شاہی زمانہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص دیہاتی غریب دہلی میں آیا اور اس کو شوق ہوا کہ میں بادشاہ کا دیدار کروں مگر حیران تھا کہ کس طرح یہ مقصود حاصل ہو کہ ایک ملے جو بظاہر بھلے مانس معلوم ہوتے تھے اُن سے اُس نے کہا کہ مجھ کو کوئی ایسا طریقہ بتلاؤ کہ میں بھی بادشاہ کا دیدار کرلوں انھوں نے اس شخص سے کہا کہ یہ کیا دشوار ہے کسی بھلے مانس کو پیٹ پاٹ دو بس دیدار ہو جائے گا. وہ شخص پکڑ کر خود تجھے دربار میں لے جائیگا بس دیدار ہو جائے گا. اس دیہاتی نے کہا اجی بس تم سے زیادہ بھلا مانس کون ہوگا اور یہ کہہ کر اس دیہاتی نے اس شخص کو پیٹ دیا تو وہ صاحب چونکہ ایک معزز آدمی تھے اور اس دیہاتی کے ہاتھوں ان کی بڑی بے عزتی ہوئی تھی اس لئے ان کو بڑا غصہ آیا اور اس دیہاتی کو پکڑ کر خود دربار میں لے گئے اور اس طرح اس دیہاتی کو بادشاہ کا دیدار ہو گیا تو کیا کوئی ایسے دیدار کو مستحسن سمجھے گا ہرگز نہیں ورنہ پھر اس طرح تو ہر شخص بادشاہ کا دیدار کرسکتا ہے بلکہ دیدار وہی محمود ہے جو بادشاہ کی خوشی کے ساتھ ہو اسی طرح وصول وہی مقصود ہے جو رضاء کے ساتھ ہو. پھر اس پر حضرت والا نے تفریع کی ہے فرمایا کہ اسی طرح بعض طالبین کی یہ تمنا ہوتی ہے اور انتظار رہتا ہے کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آیا کرے تو گو ذکر بھی ایک قسم کا قرب ہے مذکور کا اور محب اپنے محبوب کے قرب کا مشتاق ہوا ہی کرتا ہے اور اس لئے یہ چاہتا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے بظاہر محمود معلوم ہوتا ہے مگر ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخ کے قرب سے زیادہ ان کو شیخ کی رضا اور خوشنودی کی فکر چاہیئے دوسرے یہ ہے کہ چاہنا کہ شیخ کی مجلس میں ہمارا بھی ذکر آئے دلیل ہے اس بات کی کہ ابھی اس طالب کو فنا نہیں حاصل ہوئی اور میں اپنے لئے اور اسی طرح اپنے سب دوستوں کیلئے جو چیز تجویز کرتا ہوں وہ فناء ہے اور جب فنا حاصل ہوگئی تو پھر یہ چاہنا کیسا کہ شیخ کی مجلس میں میرا بھی ذکر آئے غرض بندہ کو اپنے لئے فنا ہی تجویز کرنا چاہیئے. خوب کہا ہے کہ ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔۔ تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے
آرزوئے وصال پردہ ہے ۔۔۔ آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے

فرمایا صوفیائے محققین اپنے فن یعنی تصوف کے اندر مجتہد ہوتے ہیں لہذا اگر کسی محقق صوفی کا قول تدابیر اصلاح کے متعلق یا احوال ومقامات باطنہ کے متعلق علماء ظاہر میں سے کسی کے خلاف دیکھا جاوے تو علی الاطلاق رد نہیں کردینا چاہیئے بلکہ اس کے اندر تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر وہ قول کسی نص کا مصادم ہو اور ایسا مصادم ہو کہ اس قول کی کوئی ایسی تاویل بھی نہ ہوسکتی ہو کہ جس سے وہ قول نصوص کے موافق ہوجائے تب تو وہ قول مردود ہے اور اگر وہ قول نصوص کے تو مخالف نہیں مگر آئمہ مجتہدین کی تصریحات کے مخالف ہے تو صوفیائے محققین کے ایسے قول کو مردود نہیں کہہ سکتے. لیکن مرجوح ضرور کہیں گے لہذا اگر صوفیاء کے اس قول پر کوئی شدت محبت میں عمل کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ گنجائش ہے مگر راجح وہی قول رہیگا جو آئمہ مجتہدین کا ہے.

انتخاب ملفوظات حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ

ایک بار حضرت والا یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس طریق باطن میں مقصود اعمال ہیں۔ باقی رہے حالات اور مکاشفات اور تصرفات سو یہ مقصود نہیں نہ انکا حصول اختیاری ہے اور نہ ان کے عدم حصول سے سالک کا کچھ ضرر۔ بس اصل چیز اعمال ہیں کہ بغیر ان کے ایک قدم بھی راستہ طے نہیں ہو سکتا ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید　　　که هرگز بمنزل نخواهد رسید

پھر اسی ارشاد کی تائید میں حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ بعض اولیا اللہ ایسے بھی گذرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ اُن کو دربار نبوی میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں اُنھیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں نہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے اُنکا ایک قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم ہوا تو انھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو مفارقت گوارا نہیں حکم ہوا کہ پریشان مت ہو تم کو روز آنہ زیارت ہوا کریگی اس پر مطمئن ہو کر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کو ارشاد ہوا کہ غریبان ہند پر نظر عنایت رکھنا اس کا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اس وقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کر لیا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی باخدا درویش اور فقیر ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات کرتے ایک بار انھوں نے سُنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو یہ وہاں بھی تشریف لے گئے تو جب شیخ اس درویش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ اس کے معتقد ہیں اس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر و مدارات کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے۔ تو حضرت شیخ نے شراب کے پینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے میں نہیں پی سکتا۔ اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو تو پینی پڑے گی حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا تو کہنے لگا کہ اگر نہ پیجئے گا تو پچھتائیے گا شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں جو شریعت پر عمل کرے گا وہ کبھی نہیں پچھتائیگا اور یہ کہہ کر اُس درویش کے پاس سے چلے آئے۔ شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو دربار نبوی میں جب حضوری ہوئی تو انھوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضور تشریف فرما ہیں اس مکان کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہے اور پہرا دے رہا ہے۔ جب شیخ نے اندر دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اُس درویش نے روک دیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہ مانو گے اس وقت تک اندر نہ جانے دونگا۔ خیر یہ مجبور ہو گئے۔ صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم صاحب کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اس کے کہ شیخ اس سے شب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالا پی لیتے تو کیوں محروم رہتے حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضایقہ ہے حضور مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالا پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضور تو مجھ سے ناراض

ہو جاتے اس لئے کہ حاضری فرض نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضور کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا ہو کہ میں تیرے دھوکے میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لونگا تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا اس کے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش کو دیکھا تو جب شیخ نے اندر جانا چاہا تو اس درویش نے کل کی طرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روک دیا صبح کو شیخ پھر اس درویش کے پاس گئے تو اس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا تیسرے دن بھی شب کے وقت جب شیخ نے دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو دروازہ پر اس درویش نے حضرت شیخ کو پھر روک دیا۔ اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر کیجاوے کہ حاضری نصیب ہو کہ اسی وقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات دو دن سے عبدالحق نہیں آئے بس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فوراً چیخ کر عرض کیا کہ حضور یہ شخص مجھ کو اندر نہیں آنے دیتا۔ بس حضور نے اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اخسایا کلب ؛ یعنی دور ہو اے کتے اور حضرات صحابہ کو حکم دیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دو۔ چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اس درویش کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں اس درویش کے یہاں بڑا مجمع رہتا تھا تو اور تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش نہ تھا۔ انھوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کہاں ہیں۔ خادموں نے کہا کہ حجرہ میں ہیں دریافت کیا آج باہر کیوں نہیں آئے کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود ان کے منتظر ہیں۔ شیخ حجرہ پر پہنچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آکر دیکھا تب بھی نہ پایا تو اب وہ خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں پھر حضرت شیخ نے ان خدام سے دریافت کیا کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ ہاں آج ایک کتے کو بیشک یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہو گا تب حضرت شیخ نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ کتا وہی درویش تھا اس کی صورت کو کتے کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ہے اور شب کا سارا قصہ اپنا اور اس درویش کا بیان فرمایا اس قصہ کو سنکر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اس درویش کے تمام خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے پھر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بات یہاں بھی قابل غور ہے کہ درویش کے خدام تو اس درویش کے دھوکے میں آگئے اور حضرت شیخ اس درویش کے دھوکے میں نہ آئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس درویش کے خدام تو کیفیات اور مکاشفات اور تصرفات اور واردات کو مقصود سمجھتے تھے اور انھیں چیزوں کے طالب تھے اور یہ چیزیں اس درویش کے اندر موجود تھیں اور اعمال جو کہ اصل چیز ہیں ان کو یہ لوگ مقصود نہیں سمجھتے تھے لہذا جب یہ مکاشفات وغیرہ ان لوگوں نے اس درویش کے اندر دیکھے تو اس کو کافی سمجھا اور اس کے معتقد ہو گئے اور شیخ اعمال کو مقصود سمجھتے تھے اس لئے شیخ نے جب اسکو خلاف شریعت دیکھا تو پھر اس کے مکاشفات اور تصرفات کا کچھ اعتبار نہیں کیا اور اس کے معتقد نہ ہوئے۔ پھر حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی سے عرض کیا کہ حضرت باوجود فسق و فجور کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار تک اس درویش کی رسائی کیونکر ہو گئی تو ارشاد فرمایا کہ وہ درویش تو دربار کے باہر ہی کھڑا تھا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تو کفار اور مشرکین تک حاضر ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس حاضری کے بعد بھی وہ کفار اور مشرکین ویسے ہی مبغوض رہتے تھے

جیسے حاضری سے قبل تھے۔ ایسی حاضری اور رسائی کی جو مبغوضیت کے ساتھ ہو ایسی مثال ہے کہ جیسے بعض مرتبہ ایک چور کی جب وہ بادشاہ کے یہاں چوری کرنیکی غرض سے نکلتا ہے ایوان شاہی تک رسائی ہو جاتی ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب اطلاع ہوتی ہے تو اس چور کے جوتیاں لگتی ہیں تو ایسی رسائی جو کہ مبغوضیت کے ساتھ تھی۔ اس درویش کے کیا کام آسکتی تھی اور یہ رسائی اس درویش کی مقبولیت کی دلیل کیسے ہوسکتی تھی۔ بس اصل بات یہ ہے جو نہایت کام کی ہے کہ وصول مقصود نہیں بلکہ قبول مقصود ہے اور قبول بغیر اعمال کے ہوتا نہیں لہذا اصل چیز اعمال ہوئے بس ان کی فکر میں لگنا چاہیئے۔ پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ واردات اور کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں یہ لوگ جاہل درویشوں کے تو معتقد ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ اس میں ایک خطرہ کی بات یہ ہے کہ محققین نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ دجال کے دہوکے میں بھی آجائیں گے اور وجہ اس دہوکے میں آجانے کی یہ ہوگی کہ دجال کے اوپر ایک قسم کا سُکر اور غیبت اور بے خودی اور مدہوشی سی طاری ہوگی جیسا کہ مجاذیب پر حالات باطنی کے سبب سے سکر اور غیبت طاری ہو جاتی ہے تو اس وجہ سے دجال کی حالت بظاہر مجاذیب کے مشابہ ہو جائے گی تو ایسے لوگ جو کیفیات ہی کو مقصود سمجھتے ہیں اس کو مجذوب سمجھ کر اس کے معتقد ہو جائیں گے اور اس کی خلاف شرع باتوں کی تاویل کریں گے پھر آخر کار اسکی باتوں سے متاثر ہو کر اس کا اتباع کرنے لگیں گے اور گمراہ ہوں گے۔

اور دجال پر جو یہ حالت مثل سُکر کے اور غیبت اور بے خودی طاری ہوں گے حالانکہ دجال کوئی صاحب باطن نہ ہوگا بلکہ کافر ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حالات جیسا کہ کبھی کسی باطنی سبب سے طاری ہوتے ہیں اسی طرح جن لوگوں کے پاس شیاطین کی آمد و رفت ہوتی ہے تو ان شیاطین کے اثر کے غلبہ سے بھی اس شخص پر یہ حالات طاری ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کاہنان عرب کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان پر ایک قسم کی مدہوشی سی رہتی تھی تو اس کی وجہ بھی وہی شیاطین کے اثر کا غلبہ تھا۔ اور کاہنوں کا تو شیاطین سے خاص تعلق ہوتا ہے کیونکہ وہ شیاطین ہی سے ادھر اُدھر کی خبریں دریافت کرتے ہیں تو چونکہ دجال کے پاس بھی شیاطین کی آمد و رفت ہوگی اس لئے اس پر بھی شیاطین کے اثر کا غلبہ ہوگا اس وجہ سے دجال پر بھی ایک قسم کا سُکر اور بے خودی سی طاری ہوگی۔

(۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنے اخلاق سیئہ اور رذائل نفس کی اصلاح نہ کرائے اور وہ رذائل اس شخص کے اندر ہمیشہ موجود بھی رہیں تو کیا قیامت میں اس پر مواخذہ ہوگا کہ تو نے اپنی اصلاح کیوں نہ کی۔ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس شخص نے ان رذائل نفس کے مقتضا پر عمل بھی کیا ہے یا نہیں اگر عمل کیا ہے تب تو اس شخص پر مواخذہ ہوگا اور اگر عمل نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وہ ان رذائل کے مقتضا کی مخالفت کرتا رہا تو اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ شلاً کسی شخص کے اندر غصہ کا مرض تھا اس مرض کے علاج کی اس کو ضرورت تھی مگر اس شخص نے اس مرض کی کسی سے اصلاح نہ کرائی مگر اس شخص نے اپنے غصہ کے مقتضا پر کبھی عمل نہیں کیا بلکہ اپنے غصہ کے موقع پر ہمیشہ ضبط سے کام لیا اور کبھی بیجا غصہ نہیں کیا تو اگرچہ غصہ کا رذیلہ اس شخص کے اندر ہمیشہ رہا مگر چونکہ اس نے اس بیجا غصہ کے مقتضا پر عمل نہیں کیا اس لئے اس شخص سے مواخذہ نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ جذبات پر مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اعمال وافعال پر ہوگا مگر باوجود اس کے پھر جو ان جذبات کی اصلاح کی ضرورت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جذبات کی اصلاح سے نفس کی مقاومت اور مقابلہ آسان ہو جاتا ہے جس سے رذائل نفس کے مقتضا کی

مخالفت باآسانی ہوسکتی ہے اور اگر اصلاح نہیں کی جاتی تو پھر نفس کی مقاومت کرنا دشوار ہو جاتی ہے اس لئے وہ نفس کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ نفس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اُن رذائل کے مقتضاء پر اکثر عمل ہو جاتا ہے۔

( ) ایک بار شیوخ طریقت کی محبت اور توجہ کا بیان فرما رہے تھے جو ان کو اپنے مریدین اور طالبین کیساتھ ہوتی ہے اس کے ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کے ساتھ اس توجہ میں حق تعالیٰ کا جدا معاملہ ہوتا ہے بعض بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں بلکہ دیکھے بھی گئے ہیں کہ جب ان کو اپنے کسی مرید یا طالب کے ساتھ زیادہ محبت اور اُنس ہوا ہے تو اس مرید کو موت دے دی گئی اور جلد اس کو دنیا سے اٹھالیا گیا ہے اور اس کی وجہ ان بزرگ کا مقبول عند اللہ ہونا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوتی ہے کہ ہمارے اور ہمارے ایک مقبول بندے کے درمیان میں کوئی حجاب ہو اس لئے غیب سے اس حجاب کے ارتفاع کا یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ اُن بزرگ کے اس محبوب کو بہت جلد دنیا سے اٹھالیا جاتا ہے۔ اور یہ اُن بزرگ کی غیبی تربیت ہوتی ہے۔ ہماری جماعت میں بھی ایک بزرگ ایسے تھے کہ ان کے ساتھ بھی حق تعالیٰ کا یہی معاملہ تھا کہ جس کے ساتھ ان کو محبت ہوئی اس کو دنیا سے جلد اٹھالیا گیا۔ احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ایک بار اسی مضمون کے ارشاد کے وقت کہ ہر بزرگ کے ساتھ حق تعالیٰ کا جدا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہر بزرگ کو ایک خاص شرف امتیاز حق تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے کہ غالباً حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھی ان کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ تھا کہ جب ان بی بی کو کوئی تکلیف پہنچنے والی ہوتی تھی تو قبل اس کے کہ وہ واقعہ پیش آئے ان بی بی کو اس واقعہ کی اطلاع فرمادی جاتی تھی چنانچہ ان بی بی کا واقعہ خود حضرت سقطی کے ایک مرید اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پیر کی ایک مریدنی تھیں ان کا ایک لڑکا کہیں پانی میں ڈوب کر مر گیا جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حضرت سری سقطی اٹھ کر اس مریدنی کے گھر گئے اور صبر کی نصیحت کی وہ مریدنی کہنے لگی کہ حضرت آپ یہ صبر کا مضمون کیوں فرما رہے ہیں انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تیرا بیٹا ڈوب کر مر گیا وہ بی بی تعجب سے کہنے لگیں کہ میرا بیٹا انھوں نے فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا کہنے لگیں کہ حضرت میرا بیٹا کبھی نہیں ڈوبا اور یہ کہہ کر اٹھ کر اس جگہ پہونچیں جہاں وہ لڑکا پانی میں گرا تھا اور جا کر بیٹے کا نام لیا کہ اے فلانے اس نے کہا کیوں اماں اور پانی سے زندہ نکل کر چلا آیا۔ ان بزرگ کو اپنی مریدنی کا یہ واقعہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور اس کا راز نہ معلوم ہوا۔ اس وقت ایک اور بزرگ تھے انھوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عورت کا ایک خاص ایسا مقام اور درجہ ہے کہ اسپر جو مصیبت آنیوالی ہوتی ہے تو پہلے اس کو خبر کردیجاتی ہے اس کے بعد وہ واقعہ پیش آتا ہے تو چونکہ اس واقعہ کی اس کو پہلے سے اطلاع نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ سمجھ گئی کہ یہ واقعہ غلط ہے اور میرا بیٹا زندہ ہے۔ چنانچہ جب وہاں پہنچی تو حق تعالیٰ نے اس کے گمان کو سچا کر دکھایا۔ اسی طرح بعض بزرگوں کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس ستانے والے کو دنیا ہی میں سزا دیجاتی ہے جیسا کہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ بھی ایسے ہی بزرگوں میں سے تھے چنانچہ آپ عام لوگوں سے بہت

کم ملتے تھے لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی ہے تو آپ نے فرمایا میرا مزاج نازک ہے اور عام لوگوں میں سلیقہ کم ہے ان کی بدسلیقگی سے مجھ کو اذیت ہوتی ہے اور اس اذیت کا اُن سے غیب سے انتقام لیا جاتا ہے تو میں نے بارگاہ حق میں بھی کی کہ بار الہا میری وجہ سے کسی کو سزا نہ دیجاوے مگر یہ دعا مقبول نہیں ہوئی اس لئے میں نے آنے جانے والوں سے ملنا جلنا کم کر دیا کہ میں نہ کسی سے ملونگا نہ کسی کی بدتمیزی کی وجہ سے مجھ کو تکلیف پہنچے گی نہ اس تکلیف دہی کیوجہ سے اُسکو سزا دیجائے گی۔ سو بعض بزرگوں کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے اور بعض بزرگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ چاہے کوئی انکو کتنی ہی تکلیف پہنچائے تو اس ستانے والے کو گو آخرت میں کسی درجہ کی سزا دیجاوے مگر دنیا میں اس ستانے والے کا کچھ بھی نہیں بگڑتا غرضکہ ہر بزرگ کی شان جدا ہوتی ہے اور ہر بزرگ کو حق تعالیٰ کی درگاہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ اسی اصل سے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ کے ایک واقعہ کا حل ہوتا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار ان کے ایک خادم نے جو ایک امیر کبیر آدمی تھا اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء و غرباء کی دعوت کی اور اُن کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لے گئے۔ اس طرح سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانیکی اطلاع نہ ہو لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے اور وہاں پہنچکر غرباء کی مجلس میں جاکر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقعہ پر خود موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر و مدارات کیجارہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز و اکرام کیا جارہا ہے بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اس خادم کو چونکہ اِس کا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں حضرت شیخ بھی موجود ہیں اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو وہاں بالکل نہ پہچانا یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں سے تشریف لے آئے۔ اسکے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اُنسے ناراض تھے۔ انھوں نے ناراضی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں اس نے عذر کیا کہ جب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے میں کس طرح پہچانتا فرمایا تم کو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی اگر تمکو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم ہم کو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔ ورنہ ضرور خوشبو آتی۔ یہ ہے واقعہ۔ اب یہاں بظاہر حضرت شیخ پر بیجا تشدد کا شبہ ہوتا ہے کہ کیا مرید کے خلوص اور محبت کے لوازم میں یہ بھی ہے کہ اس کو اپنے شیخ کے اندر سے خوشبو بھی آئے مگر حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے قلب میں اس اشکال کا جواب ڈال دیا اور وہ یہ کہ حضرت شیخ کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ تھا کہ انکے مریدین محبین کو شیخ میں سے خوشبو آتی تھی جب اس خادم کو حضرت شیخ کے اندر سے خوشبو نہیں آئی تو حضرت شیخ کو معلوم ہو گیا کہ اسکے قلب میں ہماری محبت نہیں اور زبان سے وہ شخص مدعی تھا محبت کا تو گویا وہ ابتک شیخ کو دھوکہ دیتا رہا اسوجہ سے شیخ اس سے ناراض ہوئے اسی قبیل سے ایک واقعہ حاکم شہید رحؒ کا ہے جو مقدمہ ہدایہ مولفہ مولانا عبدالحیؒ رحؒ میں مذکور ہے یہ کفار ترک کے ہاتھ سے ۳۳۴ھ میں شہید ہوئے ہیں بعض علماء نے ان کی مقتول ہونیکی وجہ بیان کی ہے کہ انھوں نے امام محمد رحؒ کی کتابوں میں کچھ مکررات اور تطویلات دیکھیں انھوں نے مکررات کو حذف اور مطولات کی تلخیص کر دی پھر امام محمد رحؒ کو خواب میں دیکھا فرمایا تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا انھوں نے کہا کہ علماء کی کم ہمتی دیکھ کر میں نے ایسا کیا امام محمد رحؒ کو غصہ آیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ کو پارہ پارہ کرے جیسا تو نے میری کتابوں کو پارہ پارہ کیا تو یہ کفار ترک کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئے حتیٰ کہ انکی لاش کے دو ٹکڑے کر کے دو درختوں کی چوٹی پر ایک ایک ٹکڑا ٹانگ دیا۔ سو اسکی وجہ بھی وہی ہے کہ ہر بزرگ کے ساتھ معاملہ حق تعالیٰ کا جدا جدا ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ ایسے تصرفات سے پہلے مناسب ہے کسی بزرگ سے مشورہ کرلے کہ مشورہ سے برکت ہوتی ہے اور خطرہ نہیں رہتا۔

ملفوظات حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمتہ

فرمایا آج کل ایک صاحب کا خط آیا ہے وہ ابھی کچھ دنوں یہاں قیام بھی کر کے گئے ہیں اور ہر روز وہ بعد ظہر مجلس میں بھی آیا کرتے تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مجلس میں جو کچھ آپ فرمایا کرتے تھے اس کو جائے قیام پر جاکر لکھ لیا کرتا تھا۔ جب لکھتا تھا تو خیال کرتا تھا کہ اب تو سب باتیں بیان ہو چکیں اب دیکھئے کل کیا باتیں بیان فرمائیں گے۔ پھر جب دوسرا دن ہوتا تھا اور گھر آکر اس دوسرے روز کے ملفوظات لکھنے بیٹھتا تھا تو پھر یہی خیال ہوتا تھا کہ آج تو سب باتیں بیان ہوگئیں اور کوئی ضروری بات باقی نہیں رہی اب دیکھئے کل حضرت کیا بیان فرمائیں گے مگر پھر خیال ہوا کہ خود یہ خیال ہی غلط ہے بھلا کہیں سمندر بھی ختم ہوا کرتا ہے۔ اسکے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ لوگوں نے آجکل صحبت کو سب سے گھٹیا درجہ کی چیز سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی بزرگ کی صحبت میں ہم جاکر بیٹھ گئے تو خالی صحبت سے اور محض پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ جب تک کہ وہ بزرگ کچھ تعلیم نہ فرمائیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی غلط ہے کہ بزرگوں کی صحبت افادہ سے خالی ہوتی ہے بلکہ اکثر کچھ نہ کچھ افادہ ہوتا ہی رہتا ہے دوسرے اگر مان بھی لیا جاوے کہ کوئی صحبت ایسی ہو کہ اس کے اندر وہ بزرگ بالکل خاموش رہیں اور کچھ نہ فرمائیں تو ایسی صحبت بھی فائدہ سے خالی نہیں اور اسکی وجہ حکماء نے یہ بیان کی ہے کہ انسان کی طبیعت میں خاصہ ہے مسارقت کا یعنی انسان اپنے ہم نشین کے اخلاق و عادات کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اور یہ جذب اور مسارقت ایسی خفیہ طور پر ہوتی ہے کہ خود اس سارق کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں چورا رہا ہوں اور پھر اس مسارقت کیلئے یہ بھی شرط نہیں کہ وہ ہم نشین معتقد فیہ ہی ہو بلکہ انسانی طبیعت غیر معتقد فیہ کے اخلاق و عادات کو بھی جذب کرتی ہے تو جب غیر معتقد فیہ کے ساتھ بھی یہ مسارقت ہوتی ہے تو اگر کسی اپنے معتقد فیہ اور بزرگ کی صحبت اختیار کی جاوے گی وہاں تو یہ مسارقت بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ بس یہ وجہ ہے کہ بزرگوں کی خالی صحبت بھی مفید ہوتی ہے اور صحبت تو بڑی چیز ہے محض تصور جو کہ صحبت کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی چیز ہے کیونکہ صحبت میں ذات کے ساتھ معیت ہوتی ہے اور تصور میں صرف اس چیز کی صورت ذہنیہ سے معیت ہوتی ہے مگر پھر بھی وہ اثر سے خالی نہیں ہوتا بلکہ اتنا اثر ہوتا ہے کہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان سے کوئی شخص مرید ہونے آیا تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم کو کسی چیز سے محبت بھی ہے کہا جی ہاں میری ایک بھینس ہے اس سے مجھ کو بہت محبت ہے فرمایا بس تم یہ کیا کرو کہ چالیس روز تک ایک گوشہ میں بیٹھ کر اس بھینس کا تصور کیا کرو۔ جب چالیس روز گذر گئے تو وہ بزرگ اپنے اس مرید کے پاس گئے اور اس کو حکم دیا باہر آؤ جب آنے لگا تو در میں پھنس کر رک گیا

اور کہا کہ سینگ اڑتے ہیں کیونکر آوٗں وہ بزرگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بس ایسا ہی چیزیں اس کے قلب سے نکل گئی ہیں صرف بھینس رہ گئی ہے اس کو میں دفع کردونگا۔ اور پھر اس شخص کو تعلق مع اللہ بآسانی حاصل ہو جائیگا تو جب تصور کے اندر اتنا اثر ہے تو صحبت کا درجہ تو اس سے کہیں زیادہ ہے اسکے اندر اثر کیوں نہ ہوگا۔ پھر بھینس کے تصور کی حکمت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ عشق مجازی بھی ایک جاروب ہے جیسے کہ جھاڑو سے تمام مکان کا کوڑا ایک جگہ اکھٹا کر دیا جاتا ہے تا کہ وہاں سے اٹھا کر ایک دم سے باہر پھینکا جاسکے اسی طرح بعض بزرگوں نے عشق مجازی کے ذریعہ سے طالب کے تمام تصورات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے پھر اس تصور کو تدبیر سے دفع کر دیا اور اصل بات یہ ہے کہ امراض باطنی کے علاج کے طریقے مختلف ہیں ان میں سے ایک عشق بھی ہے مگر قاعدہ عقلیہ ہے کہ جب دو علاج جمع ہو جائیں ایک بے خطر اور دوسرا خطرناک تو جو علاج بے خطر ہے اس کو اختیار کیا جاوے گا نہ کہ خطرناک کو اس لئے عشق سے علاج کرنا مناسب نہیں ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا پہلے لوگوں کا عشق مجازی زیادہ قوی ہوتا تھا فرمایا جی ہاں یہ بھی تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی تھا کہ پہلے لوگوں کے قوا اچھے ہوتے تھے اس لئے ان کے اندر قوت مقاومت بھی زیادہ قوی ہوتی تھی اس لئے صبر وضبط سے کام لیکر کوئی امر عفت کے خلاف نہ کرتے تھے بخلاف اس کے کہ اب تو فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہی ضعف مقاومت راز ہے اس کا کہ جو لوگ بوڑھے ہوتے ہیں وہ بھی فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ بہت سے بوڑھے امرد پرستی میں مبتلا ہیں کیونکہ گو بڑھاپے میں جوش کم ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے قوت مقاومت بھی ضعیف ہو جاتی ہے اسکی وجہ سے قبلہ ولمس ونظر سے رُک نہیں سکتے. اس کے بعد ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کے ایک حاشیہ میں لکھا ہے کہ ان شھوة المتقی اشد اور اسکی وجہ یہ ہے کہ متقی شخص عفت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا نہ دیکھتا ہے نہ بات کرتا ہے یہانتک کہ نامحرم کے تصور سے بھی بچتا ہے اس لئے اس کے قوی مدرکہ فاعلہ مجتمع رہتے ہیں اور ان کے اندر انتشار نہیں ہوتا اس لئے اس کے قوی مدرکہ فاعلہ میں بہ نسبت غیر متقی کے زیادہ قوت ہوتی ہے۔

(۲) اکثر لوگ جو آداب معاشرت سے ناواقف ہیں جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بوقت ملاقات اپنا تعارف نہیں کراتے کہ ہم کون ہیں اور کہاں سے حاضر ہوئے ہیں اور حاضری سے ہمارا مقصد کیا ہے جس سے حضرت والا کو تکلیف ہوتی ہے. چنانچہ ایک بار ایک صاحب آئے جو کہ اجنبی تھے انھوں نے بالکل اپنا تعارف نہ کرایا بس ملاقات کر کے خاموش بیٹھ گئے حضرت والا کو اس سے اذیت ہوئی۔ اول حضرت والا نے ان سے اس تعارف نہ کرانے کی وجہ دریافت کی جب وہ صاحب اسکا کوئی معقول جواب نہ دے سکے تو حضرت والا نے ان کو تنبیہ فرمائی اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی اجنبی کسی کے پاس

ہوتا ہے تو اُس میزبان کے دل میں طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کیوں آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک اجنبی کے متعلق بوقت ملاقات تعارف ہونا تو ضروری ہے۔ اب اتنی بات باقی رہ گئی کہ آیا یہ اجنبی کے ذمہ ہے کہ وہ اپنا تعارف کرائے یا اس میزبان کے ذمہ ہے کہ وہ ہر آنے والے سے ان امور کو دریافت کیا کرے۔ سو میرے نزدیک جو شخص یہ خیال کرے کہ ایسے امور کا دریافت کرنا میزبان کے ذمہ ہے نہایت ہی بے حس ہے کیونکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ تعارف میں مصلحت اور غرض کس کی ہے۔ سو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غرض آنے والے کی ہے۔ کیونکہ آنے والے کا جو مقصود ہے وہ موقوف ہے ایسے امور مذکورہ کے ظاہر ہونے پر۔ بس جب آنیوالے کی غرض ہوئی تو اس غرض کے حصول کی تدابیر اختیار کرنا بھی اسی کے ذمہ ہونا چاہیئے۔ نہ کہ میزبان کے۔ لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ جب وہ کسی نئی جگہ جائے تو اس کا انتظار نہ کرے کہ جب میزبان مجھ سے دریافت کرے گا تب میں اپنا تعارف کراؤں گا بلکہ ملاقات کے وقت خود ہی اپنا ضروری تعارف کرا دے اور جس غرض سے آنا ہوا ہے اس کو ظاہر کر دے۔ البتہ میزبان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ان امور کے ظاہر کرنے کے وقت اور موقع دے مثلاً ملاقات کے وقت اپنا شغل چھوڑ دے۔

(۳) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اگر دو شخصوں نے کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی کوشش بھی کی مگر ایک شخص تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا ناکامیاب رہا تو ثواب ان دونوں شخصوں کو برابر ملے گا یا کم و بیش مثلاً دو شخصوں نے کلام مجید سیکھنا شروع کیا ان میں سے ایک تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا یعنی تلاوت پر قادر ہو گیا اور اسکے بعد وہ برابر تلاوت کرتا رہا اور دوسروں کو بھی پڑھاتا رہا اور دوسرا شخص بوجہ اپنے ضعف یا مرض یا غباوت وغیرہ کے ناکامیاب رہا اور اسکو کلام مجید پڑھنا نہ آیا مگر اس نے اپنی ساری عمر اسی کوشش اور سیکھنے میں گذار دی۔ تو اب دونوں کو ثواب برابر ملے گا یا کم و بیش۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ دونوں کو برابر ثواب ملیگا۔ بلکہ عجب نہیں کہ ایسے ناکامیاب کا اجر کہ جس نے کوشش میں کمی نہیں کی اس کامیاب سے بڑھ جائے چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے :۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماہر بالقرآن مع السفرۃ الکرام البررۃ والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیہ وہو علیہ شاق لہ اجران (متفق علیہ)

(ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف کو مہارت کیساتھ پڑھنے والا (قاری) مکرم اور نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو شخص قرآن شریف کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہو اور یہ پڑھنا اس پر شاق اور دشوار ہو تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔") روحی

اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وہاں تو دیکھا جاتا ہے کہ ہم سے لگاؤ کس کو ہے بس اسکی قدر ہے لہذا کام میں لگا رہنا چاہیئے اگرچہ ساری عمر کامیاب نہ ہو۔

انتخاب ملفوظات حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمتہ

( ) ایک بار حضرت والا اس کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ مرید کو شیخ سے نفع باطنی حاصل ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کو شیخ سے اعتقاد ہو اور شیخ کو اس مرید کی طرف سے تکدر نہ ہو اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے جس کا جواب ضروری ہے وہ یہ کہ اگر مرید کو شیخ کے کسی فعل پر کوئی شبہ واقع ہو جائے تو اس اپنے شبہ کو وہ مرید آیا حل کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ حل کرتا ہے تب تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں شیخ کا قلب اس شبہ کو سنکر مرید کی طرف سے مکدر نہ ہو جائے کیونکہ مرید کا وہ شبہ خود اس شیخ ہی کے فعل پر ہے اور اگر اس شبہ کو حل نہیں کیا جاتا تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس مرید کے اعتقاد میں خلل نہ پڑ جائے اور تکدر شیخ یا مرید کے اعتقاد میں خلل ان دونوں کا نتیجہ مرید کے لئے محرومی ہے تو ایسی صورت میں وہ مرید کیا کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طالب کو چاہیئے کہ اپنے اس شبہ کو تو حل کرے مگر اپنے شیخ سے حل نہ کرے بلکہ شیخ کے متعلقین میں سے کسی سمجھدار شخص سے اس شبہ کو بیان کرے اور اس سے اس شبہ کو حل کرے اس طریقہ سے طالب کا شبہ بھی حل ہو جائے گا اور اس طالب کی طرف سے اس کے شیخ کا قلب بھی مکدر نہ ہو گا۔ اس پر ایک اہل علم نے عرض کیا کہ اگر طالب کے قلب میں اپنے شیخ کے متعلق کوئی اعتراض اور شبہ تو نہ ہو بلکہ صرف کوئی وسوسہ پیدا ہو شیخ کے کسی فعل کے متعلق اور اس وسوسہ کے مقتضاء پر وہ طالب عمل بھی نہ کرے تو کیا اس وسوسہ کو بھی شیخ پر ظاہر نہ کرنا چاہیئے اور کیا اس وسوسہ کا اظہار بھی جس کے مقتضاء پر عمل نہ ہو موجب تکدر قلب شیخ ہو گا۔ اس کے جواب میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ وسوسے گو ان کے مقتضاء پر عمل نہ ہو دو قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ طالب کے قلب میں وسوسہ آیا اور اس طالب کو اس وسوسہ سے ناگواری بھی ہوئی اب خواہ ناگواری اور حزن جو اس وسوسہ پر ہوا طبعی تھا یا عقلی ، عقلی ناگواری اور حزن یہ ہے کہ گو اس کو اس وسوسہ سے ناگواری نہیں ہوئی مگر وہ طالب اس وسوسہ کو اعتقاداً اور عقلاً برا سمجھتا ہے۔ بس یہ اعتقاداً اور عقلاً ناگوار سمجھنا ہی عقلی ناگواری ہے غرض یہ کہ اس وسوسہ سے ناگواری اور حزن بھی ہو اس طالب کو۔ پھر وہ وسوسہ آنیکے بعد زیادہ باقی بھی نہیں رہا بلکہ خود بخود دفع ہو گیا۔ اور نہ اس طالب نے اس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل کیا تو ایسے وسوسہ کو شیخ سے کہنا اس طالب کے لئے کچھ مضر نہیں مگر بلا ضرورت مفید بھی نہیں بلکہ اولی یہی ہے کہ اس کو بالکل نیست و نابود ہی کر دیا جاوے اور دوسری قسم وسوسہ کی یہ ہے کہ وسوسہ آیا اور اس وسوسہ سے طالب کی طبیعت میں یہ اثر ہوا کہ اتار چڑھاؤ ہونے لگا گویا کہ

اُس وسوسہ کو اتنی قوت ہو گئی کہ اس وسوسہ کو ایک گونہ رائے کا درجہ حاصل ہو گیا اور وہ وسوسہ اسکو ناگوار بھی نہیں ہوا اور جب تک اس وسوسہ کو دلائل سے دفع نہیں کیا گیا وہ وسوسہ دفع بھی نہیں ہوا تو اگرچہ اُس وسوسہ کے مقتضاء پر عمل نہیں ہوا اور گو یہ درجہ بھی وسوسہ کا غیر اختیاری ہے نیز اس وسوسہ کے غیر اختیاری ہونیکی وجہ سے طالب پر مواخذہ اُخروی بھی نہ ہو گا مگر اس وسوسہ کو شیخ سے کہنا مناسب نہیں بلکہ خلاف ادب اور موجب تکدر شیخ ہے۔ اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو یہ شبہہ ہو کہ جب یہ ایک وسوسہ ہے اور غیر اختیاری ہے تو پھر شیخ پر طالب کے اس وسوسہ کے اظہار سے شیخ کے تکدر کی کیا وجہ تو یہ ایک باریک بات ہے لہذا اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے وہ مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک باپ نے اپنے بیٹے کو اسکی کسی بدتمیزی پر ڈانٹا جب باپ ڈانٹ چکا اور باپ کا غصہ فرو ہو گیا تو اس کے بعد اس بیٹے نے باپ سے کہا کہ اباجسوقت آپ مجھ کو میری بدتمیزی پر ڈانٹ رہے تھے تو میرے دل میں یہ وسوسہ آیا کہ میں آپ کو قتل کردوں مگر وہ وسوسہ دفع ہو گیا تھا تو گو وہ باپ یہ بھی جانتا ہے کہ میرے بیٹے کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ مجھ کو قتل کردے بلکہ صرف یہ ایک وسوسہ ہے جو اس کے دل میں آیا ہے اور غیر اختیاری ہے اور اس وسوسہ کی وجہ سے میرے بیٹے کو کچھ گناہ بھی نہ ہو گا مگر باوجود ان سب باتوں کے ذرا سوچئے اور غور کیجئے کہ کیا اس باپ کو اس سے ناگواری نہ ہو گی ضرور ناگواری ہو گی اور باپ کو یہ خیال ہو گا کہ یہ کمبخت تو خطرناک ہے ساری عمر اس کی صورت نہیں دیکھنی چاہیئے تو جب اس باپ کو بیٹے کی یہ بات سنکر ناگواری ہو گی تو اگر یہ وسوسہ شیخ کے لئے موجب تکدر ہو تو کیا تعجب کی بات ہے۔

( ) فرمایا کہ ایک شخص کا میرے پاس ایک خط آیا ہے اور ایسا خط آج تک کسی کا میرے پاس نہیں آیا اس شخص نے جو اس خط میں اپنی حالت ظاہر کی ہے اس حالت کے متعلق سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کا قہر ہے مگر علاج بھی ایسے امراض کا حق تعالیٰ ہی دل میں ڈالتے ہیں چنانچہ میں نے اس خط کا جو جواب لکھا ہے وہ ان کے مرض کا ایک ایسا علاج ہے کہ اگر انھوں نے اس علاج کا استعمال کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کی حالت درست ہو جائیگی اور ساتھ ہی اس کے اس جواب میں یہ بھی بات ہے کہ اس میرے جواب کو پڑھ کر وہ یہ نہ سمجھیں گے کہ مجھ سے ناخوش ہو گئے ناراض ہو گئے اسکے بعد وہ خط پڑھ کر حاضرین کو سنایا مگر اس شخص کا نام ظاہر نہیں کیا۔ وہ خط یہ تھا۔

نقل خط۔ خاکسار کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ کچھ دنوں والد بزرگوار سے تعلیم پائی پھر فلاں مقام پر جا کر مولانا .... سے مستفید ہوا تین سال تک۔ ان سے سند لیکر حضرت شاہ صاحب کے پاس سند لیکر پہنچا اور اب فتحپوری میں امتحان مولوی فاضل کی تیاری کر رہا ہوں مگر اس ماحول میں رہنے

کے باوجود میرے عقائد کچھ اس طرح کے ہو گئے ہیں جن کے ماننے والے کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ یوں تو بچپن ہی سے کسی کی شخصیت سے متاثر ہو کر کبھی کسی نظریہ کو میں نے تسلیم نہیں کیا مگر جب احادیث کی کتابیں نظر سے گذریں تو صاف غیر مقلد بن گیا۔ حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہوتے وقت میرے اصول مذہب کے متعلق میرے پاس صرف ایک گورکھ دھندا تھا اور کچھ نہیں مگر آج کل کی حالت یہ ہے کہ میں نہ خدا کا قائل ہوں نہ کسی نبی کا نہ قرآن کا نہ کسی الہامی کتاب کا۔ حشر و نشر کا تو سوال ہی نہیں مذہب کو تجارتی منڈی اور پیغمبروں کو کامیاب لیڈر جزا و سزا کو۔ بچوں کا ڈراوا سمجھ رہا ہوں۔ وقس علیٰ ہذا۔ حضور اکرمؐ اور خلفاء اربعہ کی سوانحعمریوں میں ایسی ایسی پالیسیاں نظر آ رہی ہیں جیسی کہ سر اقبال مسٹر جینا اور سر شفیع میں دیکھ رہا ہوں۔ قرآن شریف حفظ کر چکا ہوں قریب قریب روزمرہ تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ نورانیت تو درکنار ہر ہر آیت پر ہنسی آتی ہے کہ دیکھو دنیا کو کس طرح بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔ کتابوں کا مطالعہ شروع کر چکا۔ تقریر دلپذیر حجۃ اللہ البالغہ الرسالۃ الحمیدیہ۔ سائنس اور اسلام وغیرہ دیکھ چکا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مناظرہ کی طرف جب متوجہ ہوا تو اس چنگاری نے ایک ہولناک صورت اختیار کر لی۔ بلکہ تعجب یہ کہ اکثر نوجوانوں کو (اور ضغث علی الاٰبالہ یہ کہ متعدد عربی تعلیم یافتوں کو بھی) اس مرض میں مبتلا پایا (اسباب مرض کو ابتداءً معمولی سمجھنا۔ شبہات کا تسکین بخش جواب نہ ملنا۔ بالشویکی مذہب پر کافی غور و خوض نفسیات کا مطالعہ خصوصاً کتاب فلسفہ جذبات اور موسیو لیبان کی کتاب روح الاجتماع میرے تبدیلی خیالات کی کافی حد تک ذمہ دار ہیں) اپنے سے کم حیثیت والوں سے گفتگو کر کے ان کو چپ کر دینا اور بڑے لوگوں سے بجائے ازالۂ وہم کبھی تو الزامی جواب اور کبھی گالیاں سننا۔ انگریزی دانوں سے تبادلۂ خیالات۔ تاریخ مذاہب اور ان کی لم کی ٹٹول۔ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں سے ملنا۔ ان کے عقائد و مسلمات کا سننا۔ ان پر غور و خوض کرنا اور روشنی طبع اس مرض کے اسباب ہیں۔ اب جب کہ تحقیق کے تمام راستے میرے لئے مسدود ہیں تو صرف یہ صورت رہ گئی ہے کہ استدلالات منطقیہ کا سلسلہ چھوڑ کر روحانیت کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کروں کہ آیا واقعی میں مریض ہوں یا مفت کا نکو بنایا جا رہا ہوں۔ اور اس مقصد کے لئے میری نظروں میں صرف خانقاہ امدادیہ ہی کام آ سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ حضور والا دستگیری فرمائیں لہذا جو نسخہ جناب تجویز فرمائیں۔ اسے استعمال کرونگا مگر بشرائط مرقومہ ذیل۔ مراقبہ نہیں کروں گا اور یہ بھی تسلیم نہیں کہ عقل کی پرواز محدود اور خدا تعالیٰ غیر محدود ہے۔ حسن عقیدت بھی نہیں رکھوں گا۔ ہاں کوئی خفیف وظیفہ ہو جو مراقبہ کی حد تک نہ پہونچے تو پڑھوں گا۔ کتابوں کے مطالعہ کا اگر حوالہ نہ دیا جاوے تو اچھا ہوگا ورنہ بدرجہ مجبوری اس سے بھی انکار نہیں۔ اور اگر ملاقات کی اجازت ملے تو زہے نصیب اور خط کشیدہ

اسباب کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ (یعنی نفسیات کا مطالعہ۔ انگریزی دانوں سے تبادلہ خیالات۔ تاریخ مذاہب عالم اور ان کی لم کی ٹٹول۔ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں سے ملنا۔ ۱۲) مولانا خط میں بندہ نے سختی سے کام لیا ہے۔ مگر جب تک پوری تحقیق واضح نہ کی جاوے علاج کیونکر ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب عفو فرمائیں گے۔ از مدرسہ فتحپوری۔

حضرت والا نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے ؂

دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی　　　　باشد کہ از خزانۂ غیبش دوا کنند

میرے نزدیک تمہارے علاج کی ابتدا دعا سے ہونا چاہئے۔ یعنی سب تدابیر سے پہلے تم یہ عمل شروع کرو کہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ مجھ کو صراط مستقیم پر قائم فرما۔ رہا یہ شبہ کہ جب تم خدا تعالیٰ کے ہی قائل نہیں تو پھر دعا کس سے کی جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تم خدا تعالیٰ کے قائل نہیں مگر تمہارے پاس حق تعالیٰ کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ جب تمہارے پاس نہ وجود کی دلیل ہے نہ نفی کی تو تم کو حق تعالیٰ کے وجود کے محتمل اور ممکن ہونے کا عقلاً قائل ہونا پڑے گا اور دعا کے لئے احتمال کافی ہے جس میں تمہارا نہ کوئی ضرر نہ مشقت۔ جب تم میری اس تجویز پر عمل شروع کر کے اپنی حالت سے مجھ کو مطلع کرو گے تو پھر آگے مشورہ دوں گا۔" پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھنا بلکہ مختلف مذاق کے لوگوں سے ملنا مضر ہے۔ پھر اس کے ایک عرصہ بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر یہ شخص میری تجاویز پر عمل کرتا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حالت درست ہو جاتی مگر اس شخص نے پھر مجھ کو کسی قسم کی کوئی اطلاع ہی نہیں کی۔

( ) ندوہ کے ایک فاضل حضرت والا کی خدمت میں آئے انھوں نے اپنے قیام کے زمانہ میں حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کیجاوے تو اول مسلمانوں کو کی جاوے یا غیر مسلموں کو کیونکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہنچ ہی جائیں گے باقی رہے کفار سو وہ تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نصیب نہ ہو گی لہذا کفار کے لئے زیادہ ضرورت ہے اس کی کہ ان کو حق کی تبلیغ کیجاوے۔ حضرت حکیم الامتہ نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمانوں کو فروع کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو اصول کی تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول ضروری ہیں اسی طرح فروع پر بھی عمل ضروری ہے تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے۔ گو دونوں کی ضرورت کے درجہ میں فرق ہے مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا

ثابت نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کرسکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں ان کی اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں کو تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے۔ پس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے اور یہ نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ اس کا فیصلہ خود قرآن میں فرمادیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ عبس میں ان نابینا صحابی کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا اور ان دونوں موقعوں میں سے جس موقعہ میں نفع کی زیادہ امید تھی اس کو ترجیح دی گئی ہے یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقعہ کا ذکر ہے کہ جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا کیونکہ کفار کے بعض روسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کو اصول کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا مگر وہاں نفع تیقن نہ تھا اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور گو یہ موقع فروع کی تبلیغ کا تھا مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔

(۴۴) آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ بزرگی کے لوازم سے ایک بات یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس بزرگ کو کسی بات کی حس نہ رہے کوئی شخص کتنا ہی تکلیف اس کو پہنچائے مگر اس کو اذیت نہ ہو اور اگر کوئی بزرگ کسی کی بدتمیزی پر اس کو روک ٹوک کرتے ہیں تو ان کو سخت مشہور کیا جاتا ہے اس کے متعلق حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ایک بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بعض لوگ بے ضرورت آپس میں باتیں کرنے لگے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان لوگوں کی اس حرکت سے اذیت محسوس ہوئی تھی اور اذیت بھی ایسی کہ اس کی شہادت حق تعالیٰ نے دی۔ چنانچہ قرآن میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے ان ذلکم کان یؤذی النبی الآیۃ تو جب حضور کو جو کہ سید الانبیاء تھے اذیت کی بات سے اذیت کا احساس ہوا تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اذیت کی بات سے اذیت محسوس ہونا بزرگی کے خلاف ہے اب رہی یہ بات کہ آگے ارشاد ہے۔ فیستحیی منکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گو اذیت پہنچتی تھی مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اذیت کو برداشت فرماتے تھے اور ان لوگوں پر کچھ داروگیر نہ فرماتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فیستحیی منکم سے آگے جو ارشاد ہے اس کو بھی تو دیکھنا چاہیئے وہ یہ کہ واللہ لا یستحیی من الحق یعنی اللہ تعالیٰ حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتے پس معلوم ہوا کہ اگر خاموش رہنا سنت نبویہ ہے تو روک ٹوک کرنا سنت الٰہیہ ہے بس اگر ایک بزرگ نے سنت نبویہ اور اخلاق محمدی پر عمل کیا تو دوسرا اگر لوگوں کی اصلاح کی غرض سے انکی نامناسب باتوں پر انکو آگاہ کرتا ہے تو وہ سنت الٰہیہ اور اخلاق الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اسکو سخت مزاج اور بدمزاج کیوں مشہور کیا جاتا ہے کیونکہ جیسے اخلاق محمدیہ اور سنت نبوی قابل عمل ہیں اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ اخلاق

الٰہیہ اور سنت الٰہیہ قابل عمل ہے۔

(۵) ایک بار حضرت والا اکابر مثل حضرت مولانا گنگوہی و حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہم کا تذکرہ فرمارہے تھے اور ان حضرات کے محامد و محاسن بیان فرمارہے تھے پھر ان حضرات کی فرقت پر اظہار افسوس فرماکر ارشاد فرمایا کہ ان حضرات کی زندگی میں گو اس کا عقیدہ تھا کہ ایک دن سب کو مرنا ہے مگر ان کی زندگی میں ہم لوگوں کو اس کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ اس وقت یہ حضرات اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں گے پھر ارشاد فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ احد کے واقعہ میں حضرات صحابہؓ نے جب اس ندا کو سُنا کہ ان محمد اقد قتل تو حضرات صحابہؓ کے اوپر اس ندا کا ایسا اثر ہوا کہ حضرات صحابہؓ کے پیر اکھڑ گئے تو اس پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ صحابہؓ ایسے متاثر کیوں ہوئے کیونکہ حضرات صحابہ کو حضور سے جتنا محبت اور عشق تھا وہ سب کو معلوم ہے تو اس محبت اور عشق کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ کو حضور کے متعلق اس کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ کوئی وقت ایسا بھی ہوگا کہ جس میں حضور اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں گے تو جب انھوں نے یکایک یہ ناگوار خبر سنی تو حضرات صحابہ کو اس خبر کو سن کر اسقدر رنج و غم ہوا کہ اس صدمہ نے پھر ان کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑسکیں لہٰذا میدان سے واپسی کا صدور ہوگیا تو صحابہ کی میدان سے واپسی اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ دشمن سے ڈر گئے بلکہ فرط غم کی وجہ سے اس وقت وہ اس قابل نہ تھے کہ دشمن سے لڑسکیں۔

(۶) فرمایا کہ آج کل عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قتال مع الکفار جہاد اصغر ہے اور مجاہدۂ نفس جہاد اکبر ہے گویا کہ قتال مع الکفار کو علی الاطلاق اس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو درجہ میں گھٹا ہوا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ قتال مع الکفار اگر بلا اخلاص ہے تب تو واقع میں وہ مجاہدۂ نفس سے درجہ میں کم ہے اور مجاہدۂ نفس اس سے افضل ہے اور ایسے ہی قتال مع الکفار کو جہاد اصغر اور اس کے مقابلہ میں مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ لیکن اگر قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہو تو ایسی حالت میں قتال مع الکفار کو جہاد اصغر کہنا غیر محققین صوفیہ کا غلو ہے بلکہ ایسا قتال مع الکفار جہاد اکبر ہی ہے اور ایسا قتال اس مجاہدۂ نفس سے جو خلوت میں ہو افضل ہے کیونکہ جو قتال مع الکفار اخلاص کے ساتھ ہوگا وہ مجاہدۂ نفس کو بھی شامل ہوگا تو ایسے قتال کے اندر دونوں جہادوں کی فضیلت جمع ہوجاوے گی۔

انتخاب ملفوظات حضرت حکیم الاُمت علیہ الرحمتہ

ایک بار حضرت والا رحؒ طریق تصوف کے کسی مسئلہ کا بیان فرما رہے تھے اس بیان میں حضرت سلطان نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت ارشاد فرمائی کہ ایک بار حضرت سلطانجی اپنے شیخ حضرت بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کتاب فتوحات مکیہ یا فصوص کا مجلس میں تذکرہ آیا تو حضرت شیخ فرید نے فرمایا کہ فتوحات کا نسخہ صحیح نہیں ملتا۔ اس پر حضرت سلطانجی نے عرض کیا کہ فلاں شخص کے پاس اس کا صحیح نسخہ ہے حضرت شیخ نے فرمایا کہ جی ہاں بغیر صحیح نسخے کے اس کتاب کے مطلب کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اس وقت یہ تذکرہ ختم ہو گیا جب مجلس برخاست ہوئی اور سب خدام باہر آگئے تو حضرت شیخ فرید کے صاحبزادے نے سلطان جی سے کہا کہ کچھ معلوم بھی ہے کہ بابا فرید نے یہ کیوں فرمایا کہ بغیر صحیح نسخے کے اس کا مطلب بھی سمجھنا دشوار ہے۔ سلطان جی نے جواب دیا کہ میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صاحبزادہ نے کہا کہ حضرت شیخ کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت شیخ کو آپ کا یہ جملہ ناگوار گذرا۔ کیونکہ اس جملہ میں اس کا ایہام ہے کہ گویا آپ کے نزدیک حضرت شیخ کی استعداد علمی اتنی ناقص ہے کہ بغیر صحیح نسخے کے وہ فتوحات یا فصوص کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے اس لئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلایا۔ یہاں تک یہ حکایت بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ واقعی ہے بھی یہی بات جو اُن صاحبزادے نے فرمائی چنانچہ اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے وہ یہ کہ مثلاً ایک جدید حافظ ہے اس نے کسی کے سامنے ایک بار یہ کہا کہ آج کل قرآن مجید صحیح کم چھپتا ہے اور اس کو سن کر کوئی شخص کہے کہ فلاں جگہ ایک نسخہ قرآن شریف کا بہت صحیح ہے تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے ہے کہ اس شخص کے نزدیک اس حافظ کو قرآن پختہ یاد نہیں اس لئے صحیح نسخہ کا پتہ بتلا دیا گیا اور یہ درحقیقت اس حافظ کے حافظہ کی تنقیص ہے۔ ۔ ۔

بس اسی طرح اس جملہ کو سمجھنا چاہیئے جو حضرت سلطان جی کی زبان سے نکلا چنانچہ ان صاحبزادے نے جب حضرت سلطان جی و متنبہ کیا تو سلطان جی کے ہوش اُڑ گئے اور فوراً حضرت شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ معافی کے خواستگار ہوئے اور بہت روئے اور بہت گڑگڑائے مگر حضرت فرید کو انکا یہ فعل اس درجہ بُرا معلوم ہوا تھا کہ اس قدر معذرت کے باوجود راضی نہیں ہوئے جب سلطان جی مجبور ہو گئے اور کوئی صورت خطا کی معافی کی سمجھ میں نہ آئی تو آخر کار ان صاحبزادے سے کہا کہ آپ میری سفارش کریں چونکہ وہ صاحبزادے تھے اور اولاد کو اپنے ماں باپ پر ایک قسم کا ناز ہوتا ہے اس لئے یہ صاحبزادے حضرت فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان جی کو معافی دینے کے لئے زور دیا چنانچہ صاحبزادے کے کہنے سے حضرت فرید نے سلطان جی کی خطا معاف فرمائی اور سلطان جی سے خوش ہو گئے۔ پھر اپنی خوشنودی کو ظاہر کرنے کے لئے ایک جائے نماز سلطان جی کو عطا فرمائی مگر باوجودیکہ حضرت فرید نے خطا معاف فرما دی اور پھر اتنی عنایت کا بھی اظہار کیا۔ مگر ذرا سلطان جی کی حالت کو دیکھئے کہ وہ کس درجہ اپنے اس فعل پر نادم ہوئے چنانچہ حضرت سلطان جی فرماتے

ہیں کہ اس معافی اور خوشنودی کے بعد بھی میری یہ حالت رہی کہ میری نظر میں اپنا یہ فعل ہمیشہ کانٹا سا کھٹکتا رہا اور افسوس رہا کہ میں نے ایسی بات کیوں کہی تھی۔ اس حکایت کے ارشاد فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اپنے شیخ کے ساتھ طالب کو اتنا اعتقاد چاہیئے جیسا سلطان جی کو حضرت فرید کے ساتھ تھا اور گو ایسا اعتقاد طریق کے اندر شرط نفع نہیں لیکن اگر میسر ہو جاوے تو نفع عظیم ہے۔

فرمایا آج کل لوگوں میں نہ بزرگوں کے ساتھ اعتقاد ہے اور نہ بزرگوں کا ان کے قلب میں ادب ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ساری عمر ان بزرگوں کے فیوض باطنی سے محروم رہتے ہیں۔ اس پر ایک اہل علم نے عرض کیا حضرت بزرگوں کا ادب حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ارشاد فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ ایک تو ان بزرگوں کے صاحب برکت ہونے کا اعتقاد رکھے دوسرے اس کا اعتقاد رکھے کہ میرے اندر جو نقائص ہیں ان کی اصلاح ضروری ہے اور وہ اصلاح ان بزرگ سے کراتا ہے۔ تیسرے یہ عزم رکھے کہ ان بزرگ کی طرف سے میرے ساتھ خواہ کیسا ہی برتاؤ ہو مگر میں برابر ان کی دلجوئی اور ان کی اطاعت کرتا رہونگا۔ اگرچہ اس کے دل میں ان بزرگ کے متعلق کچھ وساوس آویں مگر وہ ان امور مذکورہ بالا کا پابند رہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو بزرگوں کا ادب حاصل ہو جائے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ وسوسے بھی اکثر اس وقت تک آتے ہیں کہ جب تک کمال فنا حاصل نہیں ہوتا۔ جب کمال فناء حاصل ہو جاتا ہے تو وسوسے بھی پیدا نہیں ہوتے۔

فرمایا بعض صوفیۂ کرام کا قول ہے کہ سارا عالم عین حق ہے تو اس کے معنی وہ نہیں جو عام طور پر جہال سمجھے ہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اور عالم متحد بالذات ہیں کیونکہ عین کا لفظ ایک اصلاحی لفظ ہے۔ اس کے معنی وہ نہیں ہیں جو متکلمین کی اصطلاح میں ہیں۔ جیسا بعض لوگ اس قول کو سنکر گمراہ ہو گئے۔ اس لئے اس کی ضرورت ہوئی کہ یہ تبلادیا جاوے کہ اس لفظ کے کیا معنی ہیں تو ان کی اصطلاح میں عین اس کو کہتے ہیں جو تابع ہو اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے وجود قیام وغیرہ میں حق تعالیٰ کا تابع ہے بخلاف متکلمین کے کہ ان کے یہاں عین کے معنی متحد بالذات کے ہیں۔ مگر لوگوں کو چونکہ صوفیہ کی اصطلاح کا علم نہ تھا اس لئے لوگ یہی سمجھے کہ ان کے کلام میں بھی عین کے وہی معنی ہیں جو متکلمین کے یہاں ہیں اور یہ سمجھ کر خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

کتنی ہی مشکلات ہوں پروا نہ چاہیئے ۔۔۔ اقدام راہِ حق میں دلیرانہ چاہیئے
لیکن یہ گر رسائی منزل کا یاد رکھ ۔۔۔ کوشش تو خوب چاہیئے دعوی نہ چاہیئے

انتخاب ملفوظات حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ

(۱) حضرت والا حسب معمول بعد ظہر خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک صاحب آئے اور مجلس سے دور خاموش کھڑے ہو کر حضرت والا کو تکنے لگے جب ان کو اسی طرح کھڑے ہوئے دیر ہوگئی تو حضرت والا نے ایک خادم سے فرمایا کہ ان صاحب سے جاکر کہو کہ اگر ان کو کچھ کہنا ہے تو قریب آکر جو کچھ اپنی حاجت ہو اس کو ظاہر کریں اور اگر کچھ کہنا نہیں تو اس طرح خاموش کھڑے ہو کر مجھ کو تکتے رہنے سے کیا فائدہ۔ خادم نے جب یہ بات جاکر ان سے بیان کی تو بجائے اس کے کہ وہ کوئی اس کا جواب دیتے۔ بلا جواب خانقاہ سے باہر چلے گئے حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کا مزاج اور حال ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہے۔ ایک شخص سے ایسے افعال و حرکات کا صدور ہوتا ہے کہ دوسرے سے اسکی قطعی امید نہیں ہوتی۔ میں تو افراد انسانی کے حالات وافعال میں اس تفاوت عظیم کو دیکھ کر کہا کرتا ہوں کہ منطقیین نے تو انسان کو نوع اور زید عمرو بکر وغیرہ کو اسکے افراد کہا ہے مگر میرے نزدیک انسان ایک جنس ہے اور زید عمرو بکر وغیرہ اسکے افراد میں سے ہر شخص ایک مستقل نوع منحصر فی فرد واحد ہے۔ کیونکہ جتنا تفاوت افراد انسانی میں ایک فرد کو دوسرے کے ساتھ ہے وہ تفاوت ایک نوع کو دوسری نوع کے ساتھ ہوسکتا ہے نہ کہ باہم ایک ہی نوع کے افراد میں۔ اس پر ایک اہل علم نے جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے فرمایا کہ بالکل درست ہے جتنا تفاوت نوع انسان کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ہے اتنا تفاوت باہم کسی نوع کے افراد میں نہیں، چنانچہ بعض مرتبہ ضعف انسانی و قوت جسمانی کے اندر ہی ایک شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی اس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں عرب میں تو اس ضعف و قوت جسمانی کے تفاوت کا اظہار اس طرح کیا جاتا تھا کہ فلاں شخص کے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت ہے چنانچہ حضرت رکانہ رضؓ جن کا قصہ لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے عرض کیا کہ میں اس شرط پر اسلام لاسکتا ہوں کہ حضور مجھ کو کشتی میں گرادیں۔ چنانچہ حضور نے ان کو کشتی میں گرادیا اور یہ ایمان لے آئے تو ان رکانہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے اندر ایک ہزار آدمیوں کی قوت تھی۔ اسکے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار میرٹھ میں ان رکانہ رضؓ کے اس واقعہ پر ایک مولوی صاحب سے اور مجھ سے گفتگو ہوئی وہ یہ کہتے تھے کہ حضور نے جو رکانہ رضؓ کو پچھاڑ دیا۔ یہ حضور کا معجزہ نہ تھا بلکہ تصرف تھا۔ میں نے ان سے ان کے اس دعویٰ پر دلیل کا مطالبہ کیا تو انھوں نے کہا کہ اس واقعہ کے اندر کم از کم احتمال تو تصرف کا ہے

میں نے کہا کہ اثبات دعویٰ کیلئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ دلیل کی ضرورت ہے کہنے لگے کہ جیسے اسکی کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا تصرف تھا اسی طرح اسکی بھی تو کوئی دلیل نہیں کہ یہ حضور کا معجزہ تھا میں نے کہا کہ نہیں یہ غلط ہے بلکہ ہمارے پاس اسکے معجزہ ہونیکی دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ محدثین نے اس واقعہ کو معجزات کے باب میں داخل فرمایا ہے۔ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا بلکہ تصرف ہوتا تو اس کو معجزات کے باب میں کیوں نقل کرتے اور صرف اس رکانہ کے واقعہ کے متعلق نہیں بلکہ ایسے جتنے واقعات منقول ہیں سب کے متعلق کہتا ہوں کہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ کسی موقعہ پر بھی حضور نے تصرف سے کام لیا ہو زیادہ سے زیادہ ان واقعات کے اندر احتمال عقلی ہو سکتا ہے تصرف کا مگر ثبوت کیلئے احتمال تو کافی نہیں بلکہ ان تمام واقعات کو محدثین کا معجزات میں لکھنا یہ ہمارے پاس کافی دلیل ہے۔ اس کی کہ یہ تصرفات نہ تھے بلکہ معجزات تھے ورنہ اگر ان واقعات میں سے کوئی واقعہ تصرفات کے اندر داخل ہوتا تو محدثین نے جیسے کہ معجزات کا باب قائم کیا تھا اسی طرح تصرفات کا بھی ایک باب قرار دے کر جو واقعہ ان کے نزدیک تصرفات میں داخل ہوتا اسکو تصرفات کے باب میں نقل کرتے۔ باقی رہا کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرات محدثین کو معجزہ اور تصرف میں فرق معلوم نہ تھا اس لئے انھوں نے سارے واقعات کو معجزات کے اندر داخل کر دیا بلا دلیل اور ان حضرات کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) ایک بار علم قیافہ کے متعلق حضرت والا کچھ ارشاد فرما رہے تھے۔ اسی کے اندر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بقراط کے زمانہ میں ایک شخص بڑا قیافہ داں تھا اس شخص کے کمال کی یہ حالت تھی کہ اس کو کسی شخص کے دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی بلکہ وہ صرف اس شخص کی تصویر دیکھ کر بتلا دیا کرتا تھا کہ یہ شخص ایسا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کا امتحان لیا اور اس کے پاس بقراط کی تصویر لایا اور اس شخص پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ کس کی تصویر ہے تو اس قیافہ داں نے اس تصویر کو دیکھا تو کہا کہ جس شخص کی یہ تصویر ہے وہ ایک زانی شخص ہے تو یہ سن کر وہ سائل ہنسا اور کہا کہ صاحب یہ تو حکیم بقراط کی تصویر ہے کہ جن کی عفت اور پارسائی سب میں مشہور ہے۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ بقراط ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جتنے حکماء بھی گذرے ہیں گو ان میں سے بعض کافر ہی مگر عفیف سب تھے اسی طرح بقراط کی عفت پر اتفاق تھا۔ اس قیافہ داں نے جواب دیا کہ افسوس تم نے مجھ سے پہلے نہ کہا کہ یہ حکیم بقراط کی تصویر ہے۔ ورنہ میں اس راز کا افشاء نہ کرتا مگر اب جبکہ بات ظاہر ہو گئی تو اب میں اپنے اس قول پر مصر ہوں کہ یہ شخص زانی ہے۔ وہ شخص اس کے بعد بقراط کے پاس پہنچا اور اس قیافہ داں کا یہ قول بیان کیا تو بقراط نے کہا کہ واقعی وہ شخص اپنے فن میں کامل ہے مگر علم قیافہ سے جذبات کا پتہ چلتا ہے نہ کہ افعال کا تو اس کو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے

اندر یہ جذبہ موجود ہے اور مجھ کو بجد شہوت کا تقاضا ہوتا ہے مگر میں چونکہ ضبط کرتا ہوں اور اس جذبہ کے مقتضا
پر عمل نہیں کرتا اس لئے میں زانی نہیں ہوں اس کے بعد حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب
نے ایک بار علم قیافہ کا حاصل بیان فرمایا تھا کہ باطنی نقص پر حق تعالیٰ کسی ظاہری ہیئت کو علامت بنا دیتے
ہیں تاکہ ایسے شخص سے احتیاط ممکن ہو یہ حاصل ہے اس علم قیافہ کا مگر ایسے امور علامات ہیں کوئی حجت شرعیہ
نہیں۔ اور اس ہیئت کے متعلق بعض کا قول ہے کہ انسان کے ہر عمل سے خواہ وہ عمل خیر ہو یا شر اس شخص کے
اندر اس عمل کے کرنے سے اس کے مناسب ایک ہیئت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو اہل بصیرت پہچانتے ہیں
اور بعض نے کراماً کاتبین کے اعمال لکھنے کی یہی حقیقت بیان کی ہے کہ وہ اعمال کے بعد ان ہیئتوں کو فاعل
کے اندر پیدا کر دیتے ہیں اور و وجدوا ما عملوا حاضرا میں حضور کی تفسیر ان ہیاتوں کے تمثل کے ساتھ
کی ہے مگر یہ سب ذوقیات ہیں اور اوپر جو میں نے بعض کا قول نقل کیا ہے کہ ہر عمل سے بدن میں ایک
ہیئت پیدا ہوتی ہے اس میں اسکی قید نہیں کہ وہ عمل دینی ہو بلکہ جب کوئی شخص کوئی دنیوی کام کرتا ہے
تو اس سے بھی اس شخص کے اندر ایک مناسب ہیئت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ دو بزرگوں کا قصہ ہے جو مسجد میں
بیٹھے تھے انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھنے آیا تھا اس کو ایک نے کہا کہ بڑھئی ہے ایک نے کہا لوہار ہے جب
اس شخص سے دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے میں بڑھئی کا کام کرتا تھا مگر آجکل میں لوہار کا کام
کرتا ہوں تو چونکہ یہ بزرگ اہل کشف تھے اس لئے ان کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو اس شخص کے عمل سے
اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی مگر ایک کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو نجاری سے پیدا ہوئی تھی اس وجہ سے
انھوں نے اس کو نجار سمجھا اور دوسرے کو وہ ہیئت مکشوف ہوئی جو آہنگری سے پیدا ہوئی تھی اس وجہ سے
انھوں نے اس کو لوہار خیال کیا۔ اسی طرح حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا
بغرض اصلاح باطن شیخ نے اس کو دیکھا تو اس کے اندر آثار شقاوت آپ کو محسوس ہوئے آپ نے اس
شخص سے عذر فرما دیا کہ میں شقی کی تربیت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ شخص شیخ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ
علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ آؤ بھائی آؤ تم بھی شقی ہم بھی شقی اور اس شخص
کی تربیت باطنی شروع کر دی اور برابر اس کے لئے دعا کیا کرتے جب وہ رخصت ہونے لگا فرمایا کہ جاؤ
اب شیخ عبد القادر کے پاس حاضر ہو۔ چنانچہ وہ شخص جب شیخ عبد القادر جیلانی کی خدمت میں پھر حاضر ہوا
تو شیخ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں بھائی یہ طاقت حق تعالیٰ نے بھائی کبیر ہی کو دی
ہے کہ وہ شقی کو سعید بنوا دیں۔

فرمایا آج کل تو خوش اخلاقی یہ ہے کہ بس طالبین کی غلامی کرو اگرچہ اس غلامی سے طالب

کے دین کو نقصان ہی پہنچے اور آجکل کے اکثر شیوخ بھی اسی طرز کو پسند کرنے لگے ہیں چنانچہ میں نے ایسے دو
واقعے سنے ہیں جن میں سے ایک بیان کرتا ہوں کہ ایک صاحب اپنے شیخ سے ملنے گئے جب شیخ سے
ملاقات کرکے واپسی کے قصد سے اٹھے تو جوتہ ڈھونڈھنے لگے پیر صاحب نے فوراً ان مرید کا جوتہ لاکر ان کے سامنے رکھ
دیا۔ ہم سے تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو طالب کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ اگر اس نے اسکو گوارا کرلیا تو تب اسکا دماغ بگڑتا
ہوا اور اگر اس نے گوارا نہ کیا تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ شیخ کے اس فعل سے مرید کو کس قدر گرانی اور اذیت ہوتی ہوگی میرے
پاس ایک صاحب سندھ سے آئے تھے جب مجھ کو گھر جانے کی ضرورت ہوئی تو میں اپنا جوتہ اٹھا کر چلا تو ان صاحب نے جوتہ
میرے ہاتھ سے چھین لیا اور خود لے چلے میں نے نرمی سے منع کیا کہ آپ نہ لے چلیئے بلکہ مجھکو دیدیجئے کیونکہ میرا معمول ہے
کہ جن لوگوں سے میری بے تکلفی نہیں ہوتی ان سے میں اپنی کوئی خدمت نہیں لیتا کیونکہ ایک اجنبی شخص سے خدمت لینے میں
طبعاً شرم معلوم ہوتی ہے اور طبیعت پر گرانی ہوتی ہے مگر انھوں نے نہ مانا آخر جب میں مجبور ہوگیا تو میں نے کہا کہ اچھا
صاحب آپ نہ دیجئے میں آج ننگے پیر ہی چلوں گا کیونکہ صحابہ بھی تو کبھی کبھی برہنہ پا چلتے تھے تو میں آج صحابہ کی ہی
سنت پر عمل کرونگا اور یہ کہہ کر میں ننگے پیر ہی چلدیا اب وہ مجبور ہوئے اور دوڑے کہ لیجئے صاحب۔ تو جب ایک اجنبی
شخص سے خدمت لینے میں اتنی گرانی ہوتی ہے اور شرم آتی ہے تو مرید جب دیکھے گا میرا شیخ میرے جوتے اٹھا رہا ہے
تو اس کو تو کیوں نہ شرم آئے گی۔ اور اگر ایسے موقعہ پر بھی مرید کو گرانی نہ ہو تو وہ مرید ہی نہیں البتہ ایک تو ضرورت کا موقعہ
ہوتا ہے وہ مستثنیٰ ہے مثلاً مرید کسی سواری میں چلا جارہا ہے اور جوتہ اس سواری میں سے نکل کر راستہ میں نکل پڑا
اور شیخ کی نظر پڑجائے تو وہ اسکو اٹھاکر اس مرید کو دیدے تو اس کا نام ہمدردی ہے اور جہاں کوئی ضرورت نہ ہو
وہاں تو ایسا برتاؤ کرنا بجائے اصلاح کے اس مرید کا ستیاناس کرنا ہے۔ اسکے بعد جب حضرت والا نے ایک قصہ
بیان فرمایا کہ قصبہ کیرانہ میں ایک حکیم صاحب تھے اور واقعی وہ اپنے فن میں کامل تھے مگر باوجود اس فضل و کمال کے فیس
ان کی صرف آٹھ آنے ہی تھی بہت ہی شفیق و ہمدرد تھے اور گھر کے زمیندار تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کسی گاؤں
سے آیا اور حکیم صاحب کیلئے گھوڑا لایا کہ ایک مریض ہے اسکو چلکر دیکھ لیجئے حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی یہ وقت تو مطب کا ہی ہو تو اپنا کیوں حرج کرتا ہے تو چلا
جا اور گھوڑا چھوڑ جا میں مطب کے بعد آجاؤنگا۔ وہ شخص چلا گیا جب حکیم صاحب مطب سے فارغ ہوئے تو اس گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے راستہ میں گھوڑے نے جو شرارت
کی تو اسکی زین کا تنگ ٹوٹ گیا اور حکیم صاحب معہ چارجامہ کے گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور گھوڑا بھاگ گیا اب حکیم صاحب بیچارے حیران کھڑے تھے آخر کار حکیم صاحب
چارجامہ کو کندھے پر اٹھا کر اس گاؤں میں اس شخص کے یہاں پہنچے اس شخص نے جو حکیم صاحب کو اس حالت سے دیکھا تو پوچھا کہ اجی حکیم جی یہ کیا کہنے لگے بھائی گھوڑا تو پہلے
بھی آجائیگا مگر یہ چارجامہ تو اپنے پاؤں نہیں آسکتا تھا کوئی اٹھا کر لیجاتا اسلئے میں لے آیا تو اب مثلاً حکیم صاحب کا جو یہ فعل تھا کہ چارجامہ خود اٹھا کر لیگئے یہ بھی
ایک کھلی ہوئی تواضع تھی جس کا مضائقہ نہیں بخلاف اسکے کہ بلا ضرورت مرید کا جوتا اٹھا اٹھا کر رکھنا یہ محض تکلف اور اس مرید کیلئے مضر ہے خلاصہ یہ ہے
کہ جہاں کوئی ضرورت ہو وہاں تو ایسے امور اپنے مرید کیساتھ ہمدردی میں داخل ہیں اور اگر بلا ضرورت ہو تو محض تکلف اور صورت ریا رہے۔

وصیۃ الاحسان حصہ دوم

طالبین کیلئے اصول ثلاثہ

تعلیم نمبر ۱ | مشائخ کے یہاں جانے سے طالب کا مقصود تین کام ہونا چاہیے:-
(اوّل) اخلاء خواطر:- یعنی بُرے اور ردی خیالات کو قلب سے دفع کرنا۔ اس میں شیخ پر قلب سے اعتراض — قلب سے اعراض و انکار — شیخ کا استصغار (اس کو حقیر جاننا) — شیخ کی مخالفت وغیرہ — اور دین میں شبہہ سے شدید نگرانی رکھنا سب داخل ہے۔
(دوم) معالجۂ اخلاق:- اس سے مراد نفس کے رذائل کو مجاہدہ اور مشقت کے ذریعہ زائل کرنا ہے۔ [اس کا بقیہ ذکر تعلیم نمبر ۲ میں آرہا ہے]
(سوم) نفی غفلت:- یعنی قلب سے غفلت کو دور کیا جائے۔ غفلت کی ضد چونکہ ذکر ہے۔ لہٰذا طریقۂ ازالۂ غفلت، قلب کو ذاکر بنانا ہے۔ جب قلب میں ذکر جاگزیں ہوجائے گا غفلت دور ہوجائیگی لیکن ذکر بھی وہ جو شیخ تجویز کردے۔ اپنی رائے اور طبیعت سے کوئی ذکر نہ شروع کرے۔
اور طریقہ ذکر کو قلب میں قائم کرنے کا یہ ہے کہ شروع میں ذکر زبان سے کرتا رہے پھر قلب کو بھی لسان کا ہمنوا بنائے پھر رفتہ رفتہ صرف قلب کی توجہ سے اللہ کا اسم ادا کیا جائے پھر بتدریج اسم سے مسمّٰی کی جانب توجہ کی جائے یہی ذکر قلبی۔ حضور اور محبت الٰہی کہلاتا ہے اور اسی حالت کو تعلق مع اللہ اور نسبت حاصل ہونا کہتے ہیں۔ اسی ذکر کی کثرت سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی پھر محبت سے غفلت دور ہوگی اور اطاعت آسان ہوگی۔
غفلت اور محبت کی حقیقت جب واضح ہوگئی تو اب اُن کا حکم سُنئے کہ محبت و ذکر فرض ہے اور غفلت حرام ہے۔ غفلت کافر کی صفت ہے مومن غافل نہیں ہوتا نصوص میں اس کی قباحت کا بیان ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے "ولا تکن من الغافلین" اور حدیث شریف میں ہے ان اللہ لا یستجیب (اولا یقبل اللہ) الدعاء عن قلب لاہٍ (یعنی اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں فرماتے جو غافل قلب سے کی گئی ہو) جب غفلت کا حرام ہونا معلوم ہوگیا تو ذکر اور محبت الٰہی کا فرض ہونا بھی اس سے معلوم ہوگیا نیز صاحب فتح الباری ج ص ۴۶ اپر بخاری کی حدیث ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان الخ کی شرح کرتے

ہوئے فائدہ کے تحت صراحۃً لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک درجہ فرض عین ہے کسی کا قول نقل فرماتے ہیں کہ :-

ومحبۃ اللہ تعالیٰ علی قسمین فرض وندب فالفرض المحبۃ التی تبعث علی امتثال اوامرہ والانتہاء عن معاصیہ والرضا بما یقدرہ ——— فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم او ترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللہ حیث قدم ہوی نفسہ انتہی کلامہ

(فتح الباری ج ا ص ۱۴۶)

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں۔ فرض اور مستحب فرض محبت (کا) وہ (درجہ) ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال، اس کی نافرمانیوں سے باز رہنے اور اسکی تقدیر پر راضی رہنے پر انسان کو ابھارے اور آمادہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی کسی معصیت میں مبتلا ہوا خواہ کسی حرام کا مرتکب ہو کر یا کسی واجب کو ترک کر کے تو وہ صرف اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس میں ناتمام تھی اسی لئے اس نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو (اللہ تعالیٰ کے حکم پر) ترجیح دی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی طاعت پر پابندی نہ ہونے کا راز دراصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت ابھی قلب میں راسخ نہیں ہوئی ہے اگر حق تعالیٰ کی محبت ہوتی تو عدم پابندیٔ معمولات کی نوبت ہی نہ آتی۔ جب محبت اور غفلت میں سے ہر ایک کا حکم معلوم ہو گیا کہ اِس کی تحصیل اور اُس کا ازالہ فرض ہے تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ نفی غفلت اس لئے تو ضروری ہے ہی کہ خود حرام و مذموم شے ہے لیکن اس جہت سے بھی ضروری ہے کہ یہ اور دوسری طاعات سے باز رہنے کا ذریعہ بھی ہے اسی طرح محبت اس لئے تو فرض ہے ہی کہ خود ایک محمود چیز ہے مگر اس حیثیت سے بھی محبت فرض ہے کہ دوسری عبادات کی ادائیگی کا یہ باعث بھی ہے۔ حاصل یہ کہ محبت فرض لعینہٖ بھی ہے اور واجب لغیرہ بھی اسی طرح غفلت حرام لعینہٖ بھی ہے اور حرام لغیرہٖ بھی۔

اور اسی حقیقت کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ عام طور پر اوراد و وظائف کے درپے رہتے ہیں تسبیح جاری رہتی ہے مگر قلب غافل رہتا ہے۔ نوافل کی کثرت ہے مگر فرض کی جانب توجہ نہیں۔ یہ بھی غفلت ہی کی ایک فرد ہے۔ مشائخ کے یہاں آمد و رفت ہے لیکن مقصود سے بے خبر ہیں۔ پھر جب فرض ہی معدوم ہو تو نوافل سے کیا کام چلے ایسی حالت میں نہ تو وہ مفید ہی ہیں اور نہ معتبر ازالۂ غفلت فرض و ضروری ہے گو اس کا دور کرنا آسان نہیں ہے مگر ہے بہر حال اختیاری۔ اس اختیار کو کام میں لانا ازالۂ غفلت کا علاج و طریقہ بھی ہے اور یہی عمل بار بار کرتے رہنا اس میں سہولت پیدا ہونے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ ازالۂ غفلت اگر یکسو ہو کر کیا جائے تو انشاء اللہ

مقصود تک بہت جلد رسائی ہو جائے اور اگر کوئی شخص کسب معاش میں مشغول ہے تو اُسے ذرا دیر تو لگے گی مگر اس تدبیر سے وصول اسے بھی نصیب ہو جائے گا۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ دن بھر میں کم از کم دس پندرہ منٹ خلوت میں تو ذکر کر لیا کرے۔

حق تعالیٰ کی محبت نہ پیدا ہونے کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ مرید (۱) شیخ کے الفاظ و اقوال کو توجہ اور دھیان کے ساتھ نہ سُنے یا سُن کر اس پر عمل نہ کرے یا (۲) شیخ سے اُسے محبت نہ ہو یا (۳) شیخ کو نعوذ باللہ حقیر سمجھے یا (۴) شیخ کے حکم میں خود رائی سے آمیزش کر دے اس طریق میں خود رائی اور انکار کی تو کھپت ہی نہیں ہے۔

تمام بزرگوں نے سلوک کے کچھ قواعد اور اصول لکھے ہیں ان پر عمل کر کے وہ خود بھی کامل ہوئے اور اپنے اکثر مسترشدین کو بھی کامل بنا دیا اس لئے اب بھی اگر کوئی شخص قاعدے سے کام کرے مثلاً ازالۂ غفلت کے لئے ذکر کی کثرت کی جائے۔ دفع خواطر کے لئے اپنے قلب میں شیخ کی عظمت اور اس پر اعتقاد و اعتماد کلی پیدا کیا جائے (اور اگر دل میں وسوسے آئیں تو یہ کہہ کر اس کی طرف سے التفات ہٹالے کہ میں تو باوجود اس کے بھی اسی شیخ کے قدموں میں پڑا رہوں گا) اور اخلاق کے علاج میں پوری کوشش سے نفس کے خلاف کرے اور رذائل کو نکال پھینکے تو بہت ممکن ہے (بلکہ وعدہ کرتا ہوں) کہ انشاء اللہ تعالیٰ چالیس ہی دن میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے۔ آج لوگ اصول ہی سے تو کام نہیں کرتے اس لئے منٹوں کا راستہ برسوں میں طے ہوتا ہے اہل طریق نے کہا ہے کہ اِنَّمَا حُرِمُوا الوصول لتضییعهم الاصول۔ لوگ اصول ضائع کرنے کی وجہ سے وصول سے محروم ہیں۔

تعلیم ۲ | چونکہ اخلاق کا تعلق دل سے ہے اس لئے کسی بری خصلت کا استیصال کرنا جلدی عادۃً مشکل ہے ہاں یہ تدبیر کرے کہ عرصہ تک جوارح سے کردار و گفتار کے ذریعہ سے کوئی فعل خصلت بد کے منشاء کے موافق نہ صادر ہونے دے۔ یہ کردار و گفتار مثل شاخ کے ہے عرصہ تک ان کی مخالفت کر کے اس شجرہ خبیثہ کی شاخوں کو کاٹتا رہے جب اس میں سوخ ہو جائے تو اب جڑ یعنی دل کی طرف متوجہ ہو اور دل کے میلان کو افعال قبیحہ کی طرف سے روکے اس میں اگرچہ دیر لگے گی مگر خیر رفتہ رفتہ انشاء اللہ تعالیٰ قابو پا جائے گا اسی کو کہا ہے وجاهد وا فی اللہ حق جهاده اس کی ایک تفسیر تو ہے جاهد والاقامة دین اللہ یہ بھی صحیح ہے اور ایک یہ ہے کہ فی السیر الی اللہ یعنی کل طاقت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کر دینا چاہئے جہاد فی السیر الی اللہ بھی اقامت دین ہی ہے اور یہی سیر الی اللہ جہاد اکبر ہے مولانا رومیؒ اسی کو لکھتے ہیں ؎

اے شہا کشتیم ما خصمِ بروں / ماند زاں خصمِ بتر در اندروں

کشتنِ ایں کارِ عقل و ہوش نیست / شیرِ باطن سُخرۂ خرگوش نیست

تعلیم ۳ عمل صحیح سے علم بھی صحیح ہوتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ قلب میں علوم حقّہ کا القا فرماتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے من عَمِل بما علم الخ (جس نے اپنے معلوم علم پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے نامعلوم علوم و اسرار کا علم بھی دے دیتے ہیں)۔

تعلیم ۴ آجکل سخت فتنوں کا زمانہ ہے قیامت قریب ہے بولنے کا زمانہ نہیں۔ بس خیر اسی میں ہے کہ جو جیسا کچھ کر رہا ہے اُسے کرنے دیا جائے۔ مولانا روم نے ایک شغالِ رنگین کا ذکر کیا ہے کہ رنگریز کے رنگ بھرے ہودے میں ایک شغال (سیار۔ گیدڑ) کود گیا پھر دھوپ میں بدن سکھا کر گیدڑوں سے کہنے لگا دیکھو میں اب مور بن گیا ہوں۔ عام گیدڑ تو اس کے دھوکے میں آگئے ایک بڈھا گیدڑ کہنے لگا کہ اچھا تو مور ناچتا بھی ہے اور جھنکارتا بھی ہے۔ تم بھی ناچ کر اور جھنکار کر دکھاؤ۔ بس جب وہ ناچنے اور جھنکارنے کی کوشش کرنے لگا اس وقت ساری قلعی کُھل گئی اور سب نے جان لیا کہ یہ مور نہیں چور ہے یار نہیں "رنگا سیار" ہے۔ مولانا روم نے ایسے ہی ریاکار و ناقصین کے حال میں لکھا ہے کہ اے بسا ابلیس الخ یعنی آدمی کی شکل میں اکثر تو شیطان ہوتے ہیں ان سے بیعت نہ ہونا چاہیئے۔ بعض ناقص لوگ کاملین کے ملفوظات رٹ کر بھولے بھالے آدمیوں کو سُناتے ہیں کہ ان پر ان کا جادو بھی چل جائے مگر یہ جادو دیرپا نہیں ہوتا کامل کامل ہی ہوتا ہے۔ ناقص ناقص ہی رہ جاتا ہے دیکھو مسیلمہ نے حضورؐ کو دیکھ کر نبوت کا دعویٰ کیا مگر کیا ہوا۔ کذّاب کا لقب ملا اور ناکام ہی رہا۔

اس کے مناسب ایک اور عارف محقق کا قول بھی سُن لیجئے فرماتے ہیں۔ "وغیر الصالح لو تلبّس۔ ما عسیٰ ان یُلبِّس لابدان یترشح من نتن فعلہٖ وقولہٖ ما یمیزہٗ عن الصالح" (سلّ الحسام الھندی) یعنی غیر صالح (ناقص) اگر فریب دینا بھی چاہے تو نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے قول اور فعل کی بدبو ایسی ضرور اُڑے گی جس سے ناقص و کامل میں امتیاز اور فرق ہو سکے۔

شر سے ہے کون سا بشر خالی / ہاں مگر ہو نہ شر ہی شر خالی

کچھ تو سامان خیر ہو دل میں / اب تو ہے تیرا گھر کا گھر خالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصیۃ الاحسان

حصہ دوم

تعلیم۔ ایک صاحب کا جنھوں نے طریق میں ابھی حال ہی میں قدم رکھا تھا خلوص سے بھرا ہوا خط سُنا کر فرمایا کہ طالب اور غیر طالب کی تحریر میں فرق ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب خط لکھنے بیٹھتا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ ایسا طلب کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تعلیم۔ لاتحرك به لسانك الی قولہ تعالیٰ ان علینا بیانہ۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں تین باتوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں جمع فرما دینا۔ زبان سے پڑھوا دینا۔ اور اس کے بعد بیان کر دینا جب حق تعالیٰ نے جمع کا کام اپنے ذمہ لے لیا تو پھر کون ہے جو اس کو بھلا دے ارشاد ہے سنقرئك فلا تنسٰی باقی اگر وہی چاہیں تو بھلا بھی سکتے ہیں ارشاد ہے الّا ما شاء اللہ۔

تعلیم۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ یہ حافظ خود نہیں پڑھتا بلکہ اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ شانہ پڑھواتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بھولتا ہے تو ایسا بھولتا ہے کہ باوجود اعادہ کے نہ وہ مقام یاد آتا ہے اور نہ کہیں اور سے یاد آتا ہے مجبور ہو کر اپنی عاجزی اور اللہ کی بڑائی ظاہر کرتے ہوئے اللہ اکبر ہی کہنا پڑتا ہے کہ اے اللہ تو بڑا ہے اور ہم عاجز ہیں۔

تعلیم۔ فرمایا کہ ایک حافظ صاحب پر فالج گرا جس کی وجہ سے وہ قرآن شریف بھول گئے۔ انھوں نے پھر اس کی شکایت حضرت مولانا (تھانوی رحؒ) سے کی فرمایا "کیا حرج ہے" اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت حاجی صاحب رحؒ کا ہے کہ ایک شخص نے اپنے مرض کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت دُعا فرمائیے صحت ہو جائے کیونکہ حرم شریف کی حاضری سے محروم ہوں۔ حضرت نے فرمایا یہ عارف نہیں ہیں اگر عارف ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے۔ ایک طریق قرب کا یہ ہے کہ بیمار ہو جائے حرم شریف میں حاضر نہ ہو سکے صبر کرے اور دوسرا یہ ہے کہ تندرست ہو حرم شریف میں حاضر ہو کر نماز پڑھے بندہ کو تجویز کا کیا حق ہے۔

تعلیم۔ فرمایا کہ آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جب اُستاد تقریر کرتا ہو تو اس وقت اس کو توجہ سے سُننا چاہئے ان کے ختم کر چکنے کے بعد یاد کرے اور ضبط کرے اور اگر اثنار تقریر میں توجہ یاد کرنے کی طرف کی تو مضمون سے رہ جاوے گا۔

تعلیم۔ فرمایا کہ حضرات صحابہ رضؓ حضور کا بہت ادب کرتے تھے اس کے باوجود کبھی کبھی باہم بے تکلفی

اور مزاح کی باتیں بھی ہوتی تھیں ایک صحابی نے ایک دفعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تو بت نے نفع دیا (یہ بات اپنے ظاہر کے اعتبار سے تعجب خیز تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ بُت نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں) اس پر سب حیران تھے کہ یہ آج کیا کہہ رہے ہیں اس کے بعد ان صحابی رضؓ نے اس نفع کی تفصیل خود ہی فرمائی فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ستو کا بُت بنایا تھا اور (بوقت حاجت) اسے کھا گیا تھا تو یا رسول اللہ اس سے میرا پیٹ بھر گیا تھا یہی وہ نفع ہے جو مجھے اس بُت سے پہنچا۔ حضور ان کی اس ظرافت سے محظوظ ہوئے۔

تعلیم۔ (ستو کی مناسبت سے حضرت مولاناؒ کا واقعہ سنایا کہ حضرت فرماتے تھے کہ) ایک بار میں اپنی پھوپھو کے یہاں گیا اور خشک ستو منہ میں لے کر پھوپھا۔ پھوپھا کہتا تھا جس کی وجہ سے ستو منہ سے اُڑتا تھا اس پر پھوپھی صاحبہ نے کہا "ارے بیٹا کیوں اپنے پھوپھا کو اُڑاوے ہے"۔

تعلیم۔ فرمایا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کرام کا خیال تھا کہ جس میں صبر نہیں ہوتا تھا ہم اسے منافق سمجھتے تھے اس پر حضرت نے فرمایا کہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مومن کی شان میں حق تعالیٰ نے صبارٌ شکور ارشاد فرمایا ہے پس جس میں یہ نہ ہو ظاہر ہے کہ وہ غیر مومن (منافق وغیرہ) ہوگا۔

تعلیم۔ فرمایا کہ حلم کا درجہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کاد الحلیم ان یکون نبیًا۔ ایک بار ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں آپ کو (نعوذ باللہ منہ) اس آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے زیادہ کاذب سمجھتا ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے چاہا کہ بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیں۔ حضورؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ کاد الحلیم ان یکون نبیا وہ شخص اپنی آستین میں ایک گوہ لئے ہوئے تھا کہا کہ ہم تو جب جانیں کہ اس سے اپنے نبی ہونے کی گواہی دلوائیے حضورؐ نے اسے حکم دیا تو اس نے فوراً کلمہ پڑھا اس کا اثر اس شخص پر یہ ہوا کہ خود بھی مسلمان ہوگیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ پہلے مجھے اس ساری روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہ تھا اب آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ سبحان اللہ۔ دیکھئے حلم کی برکت کہ اسی کی بدولت اس شخص کو زندگی ملی۔ ایمان نصیب ہوا۔ حضورؐ کا ایک معجزہ ظاہر ہوا۔

تعلیم۔ کانپور کے ایک صاحب کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان کی بیوی سے کسی طرح ایک ٹین تیل سے بھرا گر گیا اور سارا تیل ضائع گیا۔ فوراً وہ صاحب گھر سے باہر آکر کسی باغ وغیرہ کی طرف چلے گئے اور کچھ دیر کے بعد گھر آئے تاکہ حادثہ کا اثر کم ہو جائے اور بیوی سے کچھ نہیں کہا اگلے دن خود بیوی نے پوچھا کہ کل مجھ سے اتنا بڑا نقصان ہوگیا اور آپ نے کچھ کہا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ بیشک نقصان ہوا اور مجھے اس کا افسوس بھی تھا لیکن کیا تم اس سے خوش تھیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں بلکہ تمھیں بھی رنج ہوا تو میں نے خیال کیا کہ

رنج والے کو کیا رنج دوں۔ یہ واقعہ سُنا کر حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں ایسا شخص اپنے اسی وصف کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔

تعلیم۔ فرمایا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ سخت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "جہنم کا عذاب" پوچھا کہ اس سے نجات کی کیا صورت ہے فرمایا کہ ترک غضب۔

تعلیم۔ فرمایا کہ ایک شخص کی باندی آگ لئے جارہی تھی کہ اس میں سے انگارہ مالک کے بچے کے پیر پر گر پڑا۔ باندی نے مالک کے غصہ سے ڈرتے ہوئے یہ آیت پڑھی والکاظمین الغیظ اسے سُن کر مالک نے فوراً کہا کظمتُ (جا میں نے غصہ کو پی لیا) پھر اس نے پڑھا والعافین عن الناس مالک نے کہا عفوتُ (جا میں نے تجھے بخشا) پھر اس نے پڑھا واللہ یحب المحسنین مالک نے کہا اعتقت (جا میں نے تجھے آزاد کیا)

تعلیم۔ نفس، ذکر وغیرہ کو چونکہ عبادت سمجھتا ہے اس لئے اسے تو کر لیتا ہے لیکن غصہ کے ترک کو اہم سمجھتا ہی نہیں اس لئے یہ روگ نہیں چھوٹتا پھر اس میں حظ بھی ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے ہر غصہ کرنے والے کو غصہ کے وقت ایک مزہ آتا ہے۔

تعلیم۔ فرمایا حلیم کی صحبت سے لوگ بھی حلم کا سبق لیتے ہیں۔ حضرت مولاناؒ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک حلیم کے پاس کچھ دنوں رہا سو اس کا اثر یہ ہوا کہ میرا بھی غصہ کم ہوگیا۔

تعلیم۔ ایک صاحب کا خط آیا ہے دو ہفتہ سے حضرت والا کی خیریت نہیں معلوم ہوئی طبیعت پریشان ہے خواب میں آپ کو اکثر دیکھتا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ "آپ کی مہربانی ہے اگر آپ خواب میں بھی نہ دیکھتے تو میں کیا کر لیتا" اس کے بعد فرمایا کہ یہ صاحب آتے تو ہیں نہیں اب کیا خواب میں بھی مجھ سے ملاقات نہ کریں اگر اتنا بھی نہ ہو تو بھلا وہ تعلق ہی کیا ہے بس آج کل تعلق صرف خواب و خیال کا رہ گیا ہے۔

تعلیم۔ فرمایا کہ پہلے مجھے لوگوں کی بدعنوانیوں پر غصہ بہت آتا تھا مگر اب دیکھتا ہوں کہ ساری دُنیا ہی ایسی ہوگئی ہے اس لئے اب غصہ نہیں کرتا۔ بعض لوگ ایسے آتے ہیں جو اپنے عیوب تو چھپاتے ہیں اور خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور جب پکڑے جاتے ہیں تو اس کا اقرار کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بتاؤ بھائی ایسی حالت لیکر پیر کے پاس جانے سے کیا فائدہ؟ اگر میں تم سب لوگوں کا معتقد بلکہ مرید بھی ہوجاؤں تو سچ بتاؤ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے یہاں تم کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ بس یہی وجہ ہے جو کام خراب ہوگیا ہے لوگ اپنے عیوب بالکل نہیں چھوڑتے جو جس مرض میں مبتلا ہے مبتلا ہے۔ یہ رمضان شریف کا مہینہ ہے کیسے خیر و برکت کا مہینہ ہے لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا۔ اور ایک یہ کیا جانے کتنے رمضان آئے اور گذر گئے اور ہماری بداعمالیاں بدستور باقی ہیں۔

تعلیم۔ فرمایا کہ میں پہلے بالکل سیدھا تھا اور اب بھی ہوں لیکن یہ آنے جانے والوں نے مجھے سبق پڑھادیا ہے یہ سب میرے اُستاد ہیں۔ کس چیز میں؟ اس میں کہ دیکھو جو شخص تمھارے یہاں آوے اور تعریف کرے یا لکھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دل میں بھی تمھیں ایسا ہی جانتا ہو۔ اس سے ہوشیار رہو۔ بس اس میں یعنی ان کے اس طرزِ عمل سے ظاہر و باطن کے تخالف کا علم ہوا۔ میرے اُستاد ہیں۔ میں نے بھی بعض لوگوں سے پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ایک شخص دل سے میرا معتقد نہیں تو آخر زبان وقلم سے میری تعریف کیوں کرتا ہے تو کہا کہ اس لئے تعریف کرتا ہے کہ جس کے سامنے تعریف کی ہے جب اس کے ذریعہ تمھیں اطلاع ملے گی تو تم اس تعریف کرنے والے سے خوش ہو گے۔ یہ دیکھئے لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے دھوکا دے کر مجھ سے سند لے جاویں۔ میں بھی اب اچھی طرح لوگوں سے واقف ہو گیا ہوں دیکھیں بھلا کوئی کیسے دھوکہ دے کر نکل سکتا ہے۔

ایک صاحب نے عرض کیا حضرت جن کا اپنے شیخ سے اعتقاد کا یہ حال ہے ان کا عقیدہ جنت و دوزخ کے بارے میں بھی بس متزلزل سا ہے۔ فرمایا ہاں آجکل جنت و دوزخ سب کے ساتھ اعتقاد اسی درجہ کا ہے جیسا اعتقاد جنت کا ہونا چاہئے لوگوں میں کہاں ہے۔ دوزخ کے بارے میں جیسا اعتقاد ہونا چاہئے کہاں ہے۔ جو درجہ اعتقاد کا رمضان کے بارے میں ہونا چاہئے کہاں ہے؟ اور جنت و دوزخ تو غیب ہے غیب پر ایمان کیا آسان بات ہے؟

تعلیم۔ فرمایا کہ پہلے زمانہ میں لوگ شیخ کے یہاں جا کر چھ چھ مہینہ پڑے رہتے تھے اور اب تو پہلے ہی دن درخواست کریں گے حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ کچھ دنوں رہیں اور مجھے دیکھیں میں انھیں دیکھوں جب طرفین سے مناسبت ہو جائے تو فائدہ بھی ہو۔ بات یہ ہے کہ اُس وقت کام مقصود تھا اور اب تو رواجی لوگ ہیں بس رسم بنا رکھی ہے۔

تعلیم۔ فرمایا کہ ایک صاحب یہاں رہتے تھے میرے تعلیم کرنے پر کچھ چون وچرا کی میں نے کہا تم کو مناسبت نہیں ہے اس لئے کہیں اور چلے جاؤ کہنے لگے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی فائدہ کے لئے اعتقاد کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا اور تمھیں فائدہ ہی کی کیا ضرورت ہے بلا فائدہ ہی کے پڑے رہو۔

انھیں صاحب کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا کہ اُن کی بستی میں لوگوں نے تراویح کے لئے حافظ بلائے جانے کا مشورہ کیا آپ نے بھی تائید کی لیکن کہتے تھے کہ میں ظاہراً تو تائید کر رہا تھا لیکن دل میں کہہ رہا تھا کہ یا اللہ حافظ نہ ملے۔ اس لئے کہ مجھ میں کسل کا غلبہ تھا اور تراویح میں قرآن سُننا پڑتا۔ حضرت نے فرمایا ارے ظالم جب دُعا ہی مانگی تھی تو یہ مانگتا کہ یا اللہ میرا کسل دور فرما کر تراویح کی ہمت عطا فرما۔ اسکے بعد

فرمایا کہ یہ صاحب ایک مدرسہ کے مدرس ہیں بس جب سے ایسے لوگ مدرسوں میں گھسے ہیں دین کا کام خراب ہوگیا ہے۔

تعلیم۔فرمایا کہ مومن کا ظاہر تو اچھا ہوتا ہی ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اچھا ہوتا ہے اور آجکل لوگوں کا ظاہر اچھا اور بہت اچھا ہوتا ہے لیکن باطن بہت خراب ہوتا ہے ایسا شخص بد باطن کہلاتا ہے۔

تعلیم۔فرمایا کہ لوگ انکار لے کر آتے ہیں تو فائدہ نہیں ہوتا ایک صاحب نے کہا کہ مجھے وسوسہ آتا تھا کہ تم جلد مرجاؤ تاکہ میں تم سے نجات پاجاؤں یہ لیجئے ہمارے آدمی اور ہماری بابت یہ خیال کتنے اللہ کے بندے ہوں گے کہ میری درازیٔ عمر کی دعا کرتے ہوں گے اور آپ کوس رہے ہیں۔مگر کیا کتے کے بھونکنے سے قافلہ رُک جاتا ہے۔

ایک اور صاحب کا واقعہ بیان فرمایا کہ میں ان سے کسی بات پر ناراض ہوا تو انھوں نے اقرار کیا کہ بات یہ ہے کہ مجھے تیرے متعلق ایک وسوسہ آتا ہے میں نے پوچھا کیا۔نہیں بتلاتے تھے میں نے اصرار کیا تو بتلایا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم اور یہ سارے بیٹھنے والے ریاکار ہو۔اس پر حضرت نے فرمایا ارے ظالم۔ ایسا بد باطن۔تیرا خیال میری بابت تو درست ہے لیکن یہ سب پاس کے بیٹھنے والے تو تیرا سر توڑ دینگے دیکھئے یہ حال ہے میں تو آپ سب صاحبوں کو نیک اور دیندار سمجھوں اور آپ کا میرے متعلق یہ خیال ہو کیا یہی انصاف ہے۔

تعلیم۔فرمایا کہ ٹانڈہ میں ایک بزرگ تھے چاند شاہ جو عالم تو نہ تھے مگر درویش تھے ان کے پاس ایک صاحب پہنچے مرید ہونے کے لئے۔شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیسے آئے ہو؟ کہا مرید ہونے کے لئے فرمایا کہ "راستہ میں اوکھ کیوں توڑی!" (ان صاحب نے راستہ میں اوکھ توڑی تھی جو شاہ صاحب کو بذریعہ کشف معلوم ہوگیا تھا) اس پر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے مرید ہونے جارہے ہیں اور چوری بھی ہورہی ہے۔(نہ جانے انھوں نے مرید ہونے کو کیا سمجھا تھا)۔

تعلیم۔فرمایا کہ بزرگوں نے تو کہہ دیا ہے کہ اعتقاد کے ساتھ شیخ کے یہاں جائے اس کے بعد بھی اگر نفع نہ ہو تو دوسرے کے یہاں چلا جائے لیکن بلا اعتقاد کے کہیں جانا یہ کیا طریقہ ہے؟ اور زبان سے اعتقاد کا دعویٰ اور دل میں انکار کیا یہ اسلام کا طریقہ ہے؟

از حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری ۔۔۔ نہ پڑ امر غیر اختیاری کے پیچھے
عبادت کئے جا مزہ گو نہ آئے ۔۔۔ نہ آدمی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

وصیتہ الاحسان حصہ دوم

حضرت مرشدی دامت برکاتہم ان دنوں احیاء العلوم کا یہ اقتباس اکثر
اہل مجلس کو سناتے ہیں۔

و الحزم الاحتراز بالعزلۃ و ترک الاستکثار من الاصحاب۔ ما امکن بل الذی یطلب الدنیا بتدریسہ و تعلیمہ فالصواب لہ ان کان عاقلاً فی مثل ہذا الزمان ان یترکہ فلقد صدق ابو سلیمان الخطابی حیث قال دع الراغبین فی صحبتک و التعلم منک فلیس لک منہم مال ولا جمال اخوان العلانیۃ و اعداء السر اذا لقوک تملقوک و اذا غبت عنہم سلقوک من اتاک منہم کان علیک رقیباً و اذا خرج کان علیک خطیباً اہل نفاق و نمیمۃ و غل و حذیعۃ فلا تغتر باجتماعہم علیک فما غرضہم العلم بل الجاہ و المال و ان یتخذوک سلماً فی اوطارہم و حماراً فی حاجاتہم۔ ان قصرت فی غرض من اغراضہم کانوا اشد اعدائک ثم یعدون

اور دانشمندی (کی بات تو یہ) ہے کہ خلوت اختیار کر کے علائق سے احتراز کرے اور دوست احباب کی کثرت سے بھی حتی الامکان اجتناب ہی رکھے۔ بلکہ وہ شخص جس کا مقصد اپنی تعلیم و تدریس سے دنیا کمانا ہے اسکے لئے تو اگر اس کو عقل و فہم (سے کچھ حصہ ملا ہوں ہے اس زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ اسکو ترک ہی کر دے۔ بیشک ابو سلیمان خطابی نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ جو لوگ تمھاری صحبت میں رغبت رکھنے والے اور تم سے علم سیکھنے والے ہیں ان کو چھوڑ دو (ہٹاؤ) کیونکہ تم کو ان سے نہ تو کوئی مالی فائدہ ہے اور نہ ان کے ذریعہ سے کوئی خوبی (یعنی شہرت نیک نامی ہی مثلاً) ملتی ہے اس لئے کہ (یہ لوگ بس) ظاہری دوست (اور موافق) ہیں لیکن باطناً تمھارے دشمن اور مخالف ہیں جب تم سے ملیں گے تو تمھاری خوشامد اور چاپلوسی کریں گے اور جب تم ان (کی نظروں) سے غائب ہو گے تو زبان سے تمھاری ہی برائی کرینگے۔ جو شخص ان میں سے تمھارے پاس آتا ہے تو تم پر (ایک مستقل) رقیب ہوتا ہے (یعنی تمھارے ہر قول و فعل کی نگرانی کرتا ہے) اور جب تمھارے پاس سے جاتا ہے تو تمھارے خلاف تقریر کرتا ہے (یہ لوگ) منافق ہیں چغلخور ہیں۔ کینہ پرور ہیں اور دھوکے باز ہیں لہذا ایسوں کے اپنے پاس جمع ہونے سے مغالطہ میں مت پڑو کیونکہ ان کی غرض کچھ علم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ مال و جاہ حاصل کرنا ہے اور یہ کہ تم کو اپنے حصول مطلب کا زینہ یعنی ذریعہ اور اپنی حاجات کیلئے حمار یعنی آلہ کار بنائیں۔ اگر تم نے انکی اغراض میں سے کسی بھی غرض (کے پورا کرنے) میں کوتاہی کی تو وہ تمھارے سخت ترین دشمن ہو جائینگے پھر (یہی نہیں بلکہ) وہ تمھارے پاس اپنی کثرتِ آمد و رفت کو تمھیں پر احسان سمجھتے ہیں اور اسکو تمھارے ذمہ کا ایک حق تصور کرتے ہیں اور (اسکی وجہ سے) تم پر لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں کہ تم بھی اپنی جاہ و عزت۔ دین و آبرو سب کچھ انکی خاطر قربان کر دو پس انکے دشمن کو اپنا دشمن جانو اور ان کے عزیز و قریب، نوکر و چاکر اور انکے دوست احباب کی اعانت کرو (گویا خود) فقیہہ و عالم ہونے کے باوجود ان کے سامنے بالکل سفید اور بے عقل ہو جاؤ

ترددهم اليك و الله عليك و يرونه
حقا واجبا لديك و يفرضون
عليك ان تبذل عرضك و جاهك
و دينك لهم فتعادى عدوهم
و تنصر قريبهم و خادمهم و وليهم و
تنتهض لهم سفيها و قد كنت فقيها
و تكون لهم تابعا خسيسا بعد ان
كنت متبوعا و رئيسا - و لذلك
قيل لعنة العامة مروة تامة هذا معنى
كلامه و ان خالف بعض الفاظه
و هو حق و صدق فانك ترى المدرس المسكين
فى رق دائم و تحت حق لازم و
منة ثقيلة ممن يتردد اليهم فكانه
يهادى تحفة اليهم و يرى حقه واجبا
عليهم - و ربما لا يختلف اليه ما لم
يتكفل برزق له على الادرار ثم
المدرس المسكين قد يعجز عن
القيام بذلك من ماله فلا يزال
مترددا الى ابواب السلاطين و
يقاسى الذل و الشدائد مقاساة
الذليل المهين حتى يكتب
له على بعض وجوه السحت مال حرام ثم لا يزال
العامل يسترقه و يستخدمه و يمتهنه و يستذله
الى ان يسلم اليه ما يقدره نعمة مستانفة من عنده عليه
ثم يبقى فى مقاساة القسمة على اصحابه ان

(یعنی انکی اس میں اس ملا یا کرو) اور ان کیلئے ایک نہایت ہی حقیر خادم
(کی حیثیت سے) ہو جاؤ بعد اس کے کہ تم متبوع و حاکم تھے۔ اسی لئے کہا گیا ہے
کہ عوام الناس سے کنارہ کشی ہی کامل مروت ہے۔ یہی مطلب ہے خطابی کے کلام
کا بھی اگرچہ اس کے الفاظ ذرا سے بدلے ہوئے ہیں اور یہ بالکل صحیح اور سچی
بات ہے۔ اس لئے کہ واقعی تم مدرسین کو یہی دیکھو گے کہ وہ اپنے پاس آنے
جانے والے لوگوں کی غلامی میں جکڑے ہوتے ہیں اور ان کے حقوق لازمی کے
نگار رہتے ہیں اور انکی جانب سے ان پر احسانات کا بوجھ ہے وہ الگ ہے
ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان کے آنے جانے والوں نے ان لوگوں کی خدمت میں
تحفہ ہدیہ پیش کیا ہے کہ جس کا حق ان کے ذمہ لازم سمجھتے ہیں۔ اور بسا اوقات
تو یہ لوگ مدرسین کی جانب رخ ہی نہیں کرتے جب تک کہ وہ ان کے کھانے کی
جاگیر مقرر کرنے کا ذمہ دار نہ ہو جائے۔ پھر (ہوتا یہ ہے کہ) یہ بیچارہ غریب مدرس
کبھی اپنے مال سے اس کا انتظام کرنے سے قاصر ہوتا ہے تو ہمیشہ امراء اور
سلاطین کے دروازوں کا چکر لگاتا رہتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کو ایک
ذلیل و کمینے شخص کے مانند ذلت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک
اس کیلئے ناجائز طور پر کچھ حرام مال مقرر کر دیا جاتا ہے پھر (سلطان کے) عامل
اس غریب سے غلامی، خوشامد، اور خدمت کراتے ہیں اسکو رسوا کراتے ہیں اور ذلیل
کرتے ہیں تاکہ (وہ مجبور ہو کر اس عامل کا بھی حصہ اس میں سے جو اسکو سلطان کے
یہاں سے ملا ہے مقرر کر دے (یہ مصائب تو تحصیل مال میں اسکو جھیلنے پڑے
آگے اس کے صرف کرنے کا حال سنیئے گا) یہ معلم صاحب اپنے احباب پر اس
مال کو تقسیم کرنے میں بھی بدستور تکلیف ہی میں رہتے ہیں کیونکہ (دو حال سے خالی
نہیں) اگر سب کو برابر برابر مال دیتے ہیں تو جن لوگوں کو کچھ فوقیت حاصل
ہے وہ لوگ ناراض ہوتے ہیں اور اس (مدرس یا مہتمم) کو احمق، کم سلیقہ
قصور وار۔ اہل فضل کے مصارف سے ناواقف اور اسکو مراتب حقوق کے
باب میں ناانصاف شناس (وغیرہ وغیرہ) کہتے ہیں۔ اور اگر مال کی تقسیم میں
تفاوت کو روا رکھتے ہیں تو کم فہم اور نادان لوگ تیز چلنے والی زبانوں سے

بینهم مقتة المبرزون وتنسبوه الی الحمق و قلة التمییز والقصور عن درک مصارتها الفضل والقیام فی مقادیر الحقوق بابدالها وان فاوت بینهم سلقة السفهاء بالسنة حداد وثاروا علیه ثوران الاساود والآساد فلا یزال فی مقاساتهم فی الدنیا وفی مظالم ما یاخذه ویفرقه فی العقبی۔ والعجب انه مع هذا البلاء کله یمنی نفسه بالاباطیل ویدلیها بحبل الغرور ویقول لها لا تفتری عن صنیعک فانما انت بما تفعلنیه مریدة وجه الله تعالی ومذیعة شرع رسول الله صلی الله علیه وسلم وناشرة علم دین الله وقائمة بکفایة طلاب العلم من عباد الله واموال السلاطین لا مالک لها، وهی مرصدة للمصالح وای مصلحة اکبر من تکثیر اهل العلم فبهم یظهر الدین ویتقوی اهله۔

ولو لم یکن ضحکة للشیطان لعلم بادنی تامل ان فساد الزمان لا سبب له الا کثرة امثال اولئک الفقهاء الذین یاکلون ما یجدون ولا یمیزون بین الحلال والحرام فتلحظهم اعین الجهال ویستجرئون علی المعاصی باستجرائهم اقتداء بهم واقتفاء لآثارهم ولذلک قیل ما فسدت الرعیة الا بفساد الملوک وما فسدت الملوک الا بفساد العلماء فنعوذ بالله من الغرور والعمی فانه الداء الذی لیس له دواء

اسکی برائی کرتے ہیں اور اس پر اس طرح سے حملہ کرتے ہیں جیسے کالے سانپ اور شیر حملہ آور ہوتے ہیں پس یہ لوگ دنیا میں تو ان لوگونکی جانب سے تکلیف اٹھاتے ہیں اور آخرت میں جو کچھ مال یہاں حاصل کیا ہے اور جو کچھ صرف کیا ہے اسکے وبال میں گرفتار ہونگے اور تعجب تو یہ ہے کہ یہ شخص باوجود ان تمام تکالیف کے (جو اسکو اس سلسلہ میں اسکو پیش آتی ہیں) اپنے نفس کو باطل امور کی آرزو دلاتا رہتا ہے اور اسکو دھوکہ کی رسی میں لٹکائے رکھتا ہے یعنی نفس سے کہتا ہے (کہ دیکھو خبردار) اپنے کام میں سست نہ ہونا۔ اسلئے کہ تو تو جو کچھ کر رہا ہے اس سے تیرا مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریقہ کو پھیلانا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی علم کی نشرواشاعت کرنا ہے اور علم دین کے طلبہ جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں انکی کفایت وکفالت کرنا ہے۔

اور سلاطین کے اموال کا تو کوئی مالک ہوتا ہی نہیں۔ وہ تو وقف ہوتا ہے مصالح عامہ کیلئے اور اہل علم کے بنانے اور انکی تعداد بڑھانے سے زیادہ اور کونسی مصلحت (بہتر) ہو سکتی ہے کیونکہ انھیں کے ذریعہ سے دین کا ظہور ہوتا ہے اور ان ہی سے اہل دین کی تقویت ہوتی ہے۔

(امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) اور اگر یہ مدرس شیطان کا ضحکہ (یعنی اس کا کھیل اور مذاق) نہ بن چکا ہوتا تو بادنی تامل اسکی سمجھ میں بات آجاتی کہ یہ جو کچھ فساد (آج) زمانہ میں پھیلا ہوا ہے اسکا سبب کچھ اور نہیں ہے سوا اسی قسم کے پڑھے لکھے لوگونکی کثرت کے جن کا کام یہ ہے کہ جو کچھ پا جائیں کھا جائیں اور حلال وحرام میں کچھ بھی امتیاز نہ کریں۔

ایسے ہی لوگوں کو جہال دیکھتے ہیں اور انھیں کی اقتداء کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود وہ لوگ بھی معاصی کے کاموں پر جری ہو جاتے ہیں۔ (یعنی اس کا ارتکاب کرتے ہیں)

اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ رعیت کا فساد۔ بادشاہوں کے فساد کیوجہ سے ہوا اور بادشاہوں کا فساد (ان) علماء کے فساد کیوجہ سے ہوا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے دھوکہ اور (قلب کے) اندھے پن سے اس لئے کہ یہ ایسی بیماری ہے جسکی کوئی دوا نہیں۔

(احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۳۳)

تعلیمات شیخ

(وصیتہ الاحسان حصہ دوم)

فرمایا کہ کنز العمال میں اخلاق کے بیان میں ایک ایسی حدیث شریف مذکور ہے جس سے اخلاق کی اہمیت کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے اس حدیث شریف کے ذکر سے پہلے اخلاق کے مفہوم کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

صاحب کنز العمال فرماتے ہیں کہ اخلاق اعمال قلوب کو کہا جاتا ہے اور جوارح سے جو صادر ہوتے ہیں ان کو افعال و اعمال کہا جاتا ہے (اور بعض اعمال جوارح کو جو اخلاق کہدیا جاتا ہے تو باعتبار اس کے منشار کے مناشی ان کے اعمال قلوب ہوتے ہیں مثلاً لین کلام (نرم کلامی)، اطعام طعام (کھانا کھلانا) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو یہ اطلاق باعتبار اس کے منشار کے ہے فافہم وتبصر (خوب سمجھ لیجئے)) اب حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

ان العبد لیبلغ بحسن خلقہ عظم درجات الاٰخرۃ وشرف المنازل وانہ لضعیف العبادۃ وانہ لیبلغ بسوء خلقہ اسفل درک جھنم وانہ لعابد۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اکابر طریق جو اخلاق کی اصلاح پر زور دیتے ہیں وہ کس قدر متمسک بالسنتہ ہیں ان کا ماخذ اسی قسم کی احادیث ہیں پس اس میں کس قدر زجر ہے ان عابدوں کے لئے جو محض اپنی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں اخلاق کی درستی کا اہتمام نہیں کرتے یہاں تک کہ بعض کو اس کا غرہ ہوتا ہے ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ	رند از رہِ نیاز بدار السلام رفت
زاہد نے غرور کیا تو اپنی راہ کو سلامت نہ رکھ سکا	اور رند عاجزی کے راستے سے جنت کو پہنچ گیا
ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست	نانِ حلالِ شیخ زآبِ حرام ما
(میں ڈرتا ہوں کہ روز قیامت بازی نہ لیجائے	شیخ کی نان حلال سے ہمارا حرام پانی (شراب)

اس راہ میں قدم رکھتے ہی ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ذکر بتلا دیا جائے اور اسی کو سلوک و تصوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس راہ میں اولین چیز ظاہر شریعت کی پابندی ہے (اس کے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کا ایک رسالہ زیر تصنیف ہے جس کے چھپنے کے بعد اس راہ کی حقیقت پوری طرح ظاہر ہوگی مگر مختصراً لکھا جاتا ہے کہ) پہلے عبادات نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل معلوم کر کے ان کو شریعت کے احکام کے مطابق ادا کرنا چاہیئے اور جو کچھ حقوق مالیہ یا بدنیہ اپنے ذمہ ہوں اگر حقوق العباد کے قبیل سے ہوں تو ان کو اہل حقوق کو ادا کر کے یا معاف کرا کے سبکدوش ہونا چاہیئے۔ اگر حقوق اللہ میں سے ہوں تو ان کو بھی قضا کرنی چاہیئے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر نمازیں قضا ہوں تو ان کی قضا کرنی چاہیئے اور اگر روزے قضا ہوں تو ان کی بھی قضا رکھنی چاہیئے اور اگر ایام گذشتہ کی زکوٰۃ باقی ہو تو اس کی بھی قضا کرنی چاہیئے اور قربانی واجب کا بھی یہی حکم ہے اور اگر قسم یا روزے وغیرہ کے کفارے اپنے ذمہ ہوں تو

ان کو بھی ادا کرنا چاہیئے۔ نیز معاملات و اخلاق کی درستی کو لازم پکڑنا چاہیئے جب اس میں پختگی ہو جائے تو شیخ جب مناسب سمجھے کوئی ذکر حسب حال بتائے یہ شیخ کی رائے پر ہے حقیقت میں آج کل محرومی و ناکامی کی بڑی وجہ بے اصولی ہے ہر کام کے تو کچھ اصول و ضوابط ہیں مگر اس سلوک کا کوئی اصول نہیں۔

اچھے حالات کے خواہشمند اور طالب تو سب ہی ہوتے ہیں مگر اہل اللہ اور مشائخ جو کچھ اس کا طریقہ تبلاتے ہیں اسکو کرتے نہیں پھر اچھے حالات پیدا ہوں تو کیسے ہوں خصوصاً اہل علم حضرات کہ ان کو اچھے حالات کی طلب زیادہ ہوتی ہے مگر معمولات وغیرہ کی پابندی جس سے اچھے حالات پیدا ہوتے ہیں بالکل نہیں کرتے دو روز کیا تو دو روز چھوڑ دیا کبھی دل سے کیا کبھی بے دلی سے غرض کوئی کام نظم و اصول سے نہیں کریں گے یہ صحیح ہے کہ عوائق و موانع کی وجہ سے یہ سب بدنظمیاں ہوتی ہیں لیکن غور تو یہ کرنا چاہیئے کہ دنیا کا بھی کوئی ادنیٰ کام بغیر نظم کے نہیں ہوتا تو کارخانۂ باطن کی درستی اور دین کا کام کیسے بغیر نظم کے انجام پائے گا یہی وجہ ہوتی ہے کہ اسی طرح بے ڈھنگے پن سے لگے رہتے ہیں اور عمر ختم ہو جاتی ہے مگر مقصود سے کوسوں دور رہتے ہیں جب اس راہ میں قدم رکھا جائے تو بڑے حوصلہ و ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ عوائق و موانع کی اصلا پرواہ نہ کرتے ہوئے نہایت اولوالعزمی سے کام لینا چاہیئے کہ اگر اپنا سب کچھ نثار کر دینے کے بعد بھی مقصود حاصل ہو جائے تب بھی سستا سودا ہے۔

اہم تعلیم

فرمایا کہ اصل کام یہ ہے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح و درست کیا جائے اس کو نسبت کہا جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے جس کے متعلق صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ فرض ہے مُحَبَّۃٌ عَلٰی قِسْمَیْنِ فَرْضٌ وَنَدْبٌ بالغرض المحبۃ التی تَبْعَثُ عَلٰی اِمْتِثَالِ اَوَامِرِہٖ وَالانتھاء عن معاصیہ والرضاء بمایقدرہ فمن وقع فی معصیۃ من فعل محرم او ترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللہ حیث قَدَّمَ ھوٰی نفسہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کے دو درجے ہیں فرض و مستحب، فرض وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے اور معاصی سے بچنے اور اسکی تقدیر پر راضی رہنے کا محرک اور باعث ہو چنانچہ جو شخص کسی حرام میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی واجب کو ترک کرتا ہے تو یہ صرف اللہ کی محبت میں تقصیر کی وجہ سے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بالکل خالی ہوتا ہے یا محبت کی اس میں کمی ہوتی ہے اسی سے تو اپنی خواہش کو احکام خداوندی پر مقدم کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کی یہ محبت حاصل ہوتی ہے بزرگان دین سے محبت سے اسی لئے ان حضرات سے تعلق پیدا کیا جاتا ہے۔) (از ناقل) اور یہ کہ اللہ کیساتھ معاملہ صحیح کرنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کے سب احکام کی پیروی کی جائے اور اس میں یہ بھی ہے کہ بلوغ (جوان ہونے) کے بعد سے جو احکام فوت ہوئے ہوں ایک ایک کر کے ان کو ادا کیا جائے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ان احکام کا علم ہو لہٰذا علم کی تحصیل بھی لازمی ٹھہری پس خلاصہ طریق کار "علم و عمل" ہوا۔

تعلیمات شیخ (وصیۃ الاحسان حصہ دوم)

حسن خلق کی اہمیت

(ہماری محرومی کا اصل سبب رذائل اخلاق ہیں)

علما محققین نے بیان فرمایا ہے کہ سالکین پر فیض رحمانی کے نزول اور عنایات یزدانی کے ورود کا بڑا مانع ان کے نفوس بہیمیہ کا رذائل اخلاق مثلاً بخل وحسد وکبر و حرام وغیبت وکینہ وریا وکذب وطمع وحرص وغیرہ سے ملوث ہونا ہے۔ پس جب تک ان میں سے کل یا بعض موجود ہوں گے ان کا قلب مصفیٰ نہ ہوگا اور فیض رحمانی اور عنایات یزدانی کا نزول نہ ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ ان میں سے بعض صفات تو بہائم کی ہیں اور بعض کفار کی ہیں اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا جو بھی ان صفات سے متصف ہوگا وہ فیض وعنایت ربانی سے محروم رہیگا۔ حاصل اس کا یہ ہوا کہ انسان نیک اور صالح ہو نہیں سکتا جب تک کہ اپنے اخلاق کی اصلاح نہ کرلے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگ زیادہ تر جنت میں کس چیز کی وجہ سے جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ تقویٰ اللہ اور حسن خلق ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تقویٰ اللہ صلاح مابین عبد وربہ کا نام ہے اور حسن خلق صلاح مابین عبد والناس کا۔ ان دونوں کے مجموعہ کا نام صلاح ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ الاشہر فی تفسیر الصالح القائم بما یجب علیہ من حقوق اللہ وحقوق عبادہ۔ نیز علما فرماتے ہیں کہ تحلی بالفضائل اور تخلی از رذائل بمنزلہ چوبدار اور نقیب کے ہیں کہ خود ہی انسان کو مقام مقصود تک پہونچا دیتے ہیں اور کبھی اس بارگاہ سے (اسی حسن خلق کی وجہ سے) ایک ایسا جذب ہوتا ہے کہ اعمال کی زیادہ مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑتی اور انسان فائز المرام ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ انسان اپنے حسن خلق کی وجہ سے آخرت کے بڑے بڑے درجات اور اشرف ترین منازل حاصل کر لیتا ہے حالانکہ عبادت میں وہ ضعیف ہوتا ہے اسی طرح اپنے سوء خلق کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ کا مستحق ہو جاتا ہے حالانکہ وہ عبادت گذار ہوتا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور علما کی تشریحات سے حسن خلق کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے مگر آج مسلمانوں نے دین کے جس شعبے کو سب سے زیادہ فاسد کر لیا ہے باوجودیکہ وہ نہایت ہی اہم تھا وہ یہی اخلاق ہے۔ نماز وروزہ، تسبیح وتلاوت، ذکر ووظائف کی جانب تو کچھ توجہ بھی ہے لیکن حسن خلق کی حقیقت اور مفہوم تک معلوم نہیں تا بعمل چہ رسد اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خلق کا تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے اور لوگوں کی نظر صرف ظاہر پر مقصور ہے اس لئے باطن ان

کی سمجھ میں نہیں آتا۔ میرا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی اس بد اخلاقی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ آج ان کا دین درست نہیں رہا بلکہ دنیا کی تباہی کا سبب بھی یہی ہے۔

پس اس زمانہ میں دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح کا حصول موقوف ہے اخلاق کی اصلاح پر اور اصلاح اخلاق موقوف ہے رذائل کے علم اور ان کی حقیقت کے پیش نظر ہونے پر اور ان کے معلوم اور اصلاح کرنے کا باب گو کہ نہایت وسیع ہے اور اس کے متعلق علماء نے بڑی بڑی کتابیں لکھدی ہیں لیکن اپنے بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اخلاق کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں اور ذرائع جو محققین نے بیان فرمائے ہیں اختیار کرے وہیں اتنا اور بھی کرے کہ ان رذائل کا مراقبہ بھی کیا کرے کہ اسکی وجہ سے ان کا علم آسانی کے ساتھ ہو جائیگا اور پھر ترک ان کا سہل ہو جائیگا۔

میں کہتا ہوں کہ مراقبہ سے ان حضرات کی مراد یہی ہے کہ ان رذائل کی حقیقت اور ان کے نفع و نقصان کو سوچے اور اس فکر میں لگا رہے کہ میرے اندر ان میں سے کون کون سی چیزیں موجود ہیں۔ پھر ان رذائل سے خلاصی پانے کا اسہل اور اقرب الی السنۃ طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہایت آہ و زاری کے ساتھ دعا کرے اور کہے کہ

اللّٰھم احسنت خلقی فاحسن خلقی
اور کہے اللّٰھم قنی شر نفسی اللّٰھم قنی شر
نفسی اللّٰھم قنی شر نفسی اور یوں کہے کہ اللّٰھم اٰت نفسی
تقواھا و زکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا
ومولاھا۔ اللّٰھم انی اسئلک الھدیٰ والتقیٰ
والعفاف والغنیٰ۔ اللّٰھم انی اعوذبک من
منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء
والادواء۔ اللّٰھم انی اسئلک الصحۃ و
العفۃ والامانۃ وحسن الخلق والرضا
بالقدر۔ اللّٰھم طھر قلبی من النفاق وعملی من
الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ
فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی
الصدور

اے اللہ تو نے میری صورت کو اچھا کیا تو میرے اخلاق کو بھی درست فرما دیجئے۔ اے اللہ مجھ کو میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھئے۔ اے اللہ مجھ کو میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھئے اے اللہ مجھ کو میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھئے۔ اے اللہ دے میرے نفس کو اسکی پرہیزگاری اور اسکو پاک کردے تو ہی سب سے بہتر پاک کرنیوالا ہے تو ہی اس کا مالک و آقا ہے۔ اے اللہ میں آپ سے ہدایت و پرہیزگاری پاکدامنی و تونگری مانگتا ہوں۔ اے اللہ میں آپکی پناہ چاہتا ہوں برے اخلاق سے برے اعمال سے بری خواہشوں سے برے امراض سے اے اللہ میں آپ سے صحت پاکدامنی امانت داری اور اچھے اخلاق اور تقدیر پر رضا کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے قلب کو نفاق سے پاک کر دیجئے اور میرے اعمال کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھوں کو بدنگاہی سے کیونکہ آپ بدنگاہی کی آنکھوں سے واقف ہیں اور ان باتوں سے بھی واقف ہیں جنکو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔

تعلیم فرمایا کہ سکندر بادشاہ اللہ والوں کا بڑا معتقد تھا جہاں جاتا تھا وہاں کے بزرگوں سے مل کر دعا کراتا تھا لشکریوں کا گمان ہوا کہ محنت سے ہمارے فتوحات ہوتے ہیں اور یہ بزرگوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اس کا جواب اس نے اس طرح دیا کہ ایک بار اس نے کسی قلعہ پر حملہ کیا اور جب معمول سے زیادہ تاخیر ہوئی تو اس نے اپنی فوج سے کہا کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ ساری فتوحات تم لوگوں کی قوت بازو کا نتیجہ ہیں اب تو تم نے خوب قوت آزمائی کر لی اچھا حملہ روک دو۔ قریب ہی کسی غار میں ایک بزرگ کا ہونا معلوم ہوا کچھ آدمیوں کو لے کر اُن سے دعا کرانے چلا۔ ابھی غار کے منہ ہی پر تھا کہ وہ بزرگ اندر سے روشنی لئے باہر آگئے اور فرمایا کہ تم سکندر ہو نا۔ بلا کسی سابقہ تعارف کے اپنا نام اُن کی زبان سے سن کر سکندر بہت ہی متعجب ہوا دریافت کیا کہ آپ نے میرا نام کس طرح معلوم کیا اُنھوں نے جواب دیا وہ سننے کے قابل ہے فرمایا کہ "انسان آئینہ پر قلعی کر کے اُسے صاف کر لیتا ہے تو اس میں سیکڑوں تصویریں دیکھ لیتا ہے میں اپنے قلب کے آئینہ کو ایک مدت سے رگڑ رہا ہوں صاف کر رہا ہوں کیا اس میں اللہ تعالیٰ تمہاری ایک شکل بھی نہ دکھاویں گے میں نے اپنی صفائی باطن کی وجہ سے (بذریعہ کشف) معلوم کر لیا کہ تم سکندر ہو"۔

اس گفتگو کے بعد ان سے دعا کرائی اور اگلے روز کے حملے میں قلعہ کی دیواریں دھما دھم پانی میں آ رہیں۔ سکندر نے اپنی فوج پر اہل اللہ کی دعا کا اثر اس طرح واضح کیا جس کے وہ اسکے قبل منکر تھے۔

تعلیم فرمایا کہ بعض صحابہؓ کرام کو ان کی ازواج نے جہاد سے روکا تھا جب وہ گھر واپس آئے اور اپنے سے پہلے جانے والوں کا فضل و مرتبہ معلوم کیا تو انھیں بڑا طیش آیا۔ روح المعانی میں ہے کہ ایک قوم حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتی تھی ان کی ازواج نے روکا جب وہ بعد مل آئے تو لوگوں کو پایا کہ فقیہہ ہو گئے تھے اس پر اُن کو صدمہ ہوا اور ان کو زدو کوب کرنا چاہا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ یعنی ان سے احتیاط رکھو اور ان کو مانع نہ بننے دو نیز خیر کے ترک میں ان کی اطاعت مت کرو بس اس کے علاوہ مارنے پیٹنے کے بارے میں آگے فرمایا کہ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ یعنی اگر ان کو معاف کر دو۔ زیادہ سزا نہ دو اور ان کے قصور کو دل و زبان سے بھلا دو تو یہ بہتر ہے اور مفید کام ہے کیونکہ یہ دیکھو کہ انھوں نے یہ جرم کیا کیوں؟ قصور ہمارا کیا کہ تم لوگوں کو بہار سے روکا لیکن منشا اس کا تم سے محبت ہے، تمہارا فراق ان کو شاق گذر رہا تھا اس لئے اگر تمھاری

امرت کی وجہ سے یہ بات ہوئی ہے توتم بھی معاف کردو۔ درگذر کردو۔ ہماری خاطر تم کیوں اپنے تعلقات خراب کرو۔ بیان القران میں ہے کہ عورت کی خطا پر اس کو معاف کرنا کبھی تو مندوب ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے جبکہ اس کی بے باکی کے زیادہ ہونے کا احتمال ہو [دیکھئے کتنے گھر صرف اس ایک شرعی دستور کے نہ جاننے اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے خراب ہو رہے ہیں]

تعلیم | فرمایا کہ ایک بزرگ ایک محل کے پاس سے گذرے بادشاہ اوپر تھا اس نے اپنے اوپر بلانے کے لئے کمند پھینکی جب محل کے بالاخانہ پر پہنچ گئے تو اثنار گفتگو میں بادشاہ نے پوچھا کہ انسان خدا تک کیونکر پہنچ سکتا ہے اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں آپ تک از خود آنا چاہتا تو رسائی مشکل تھی اول تو چکر کاٹ کر محل کے دروازہ تک پہنچتا پھر وہاں دربان بھلا مجھے کیوں اندر جانے دیتے لیکن جب آپ نے چاہا تو میں فوراً پہنچ آیا راستہ بھی مختصر یعنی کمند کے ذریعہ سے بس اسی طرح بندہ کی کیا طاقت تھی کہ اللہ تک پہنچتا لیکن خود خدا ہی نے قرآن شریف نازل فرما کر گویا کمند لٹکا دی کہ جو اسے پکڑے گا خدا تک پہنچ جاویگا۔ یہی وہ کمند ہے جو بندہ کو خدا تک کھینچتی ہے لیکن بہت سے لوگ ہیں کہ نہیں کھنچتے۔

ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک شخص روزانہ ایک درخت کے نیچے جاکر آواز لگاتے تھے کہ یا اللہ مجھے اپنی طرف کھینچ لے۔ ایک شخص ایک دن درخت پر چڑھ کر بیٹھ رہا اور جب انھوں نے پھر پکارا تو اس نے ایک رسّی لٹکائی اور کہا کہ اے میرے بندے اسے اپنے گلے میں باندھ لے۔ اس نے باندھ لیا جب اوپر والے نے کھینچنا شروع کیا تو آپ فرماتے ہیں نہیں اللہ تعالیٰ میں نہ کھنچوں گا۔

تعلیم | فرمایا کہ قرآن شریف پڑھ کر حق تعالیٰ سے حاجات کی دعا مانگنی چاہیئے حدیث میں ہے کہ قرآن پڑھ کر مخلوق سے سوال کریں گے۔ فرمایا کہ آجکل حالت دیکھ لیجئے۔

تعلیم | فرمایا کہ مومن کو قرآن شریف کے ساتھ کیسا کچھ تعلق ہوگا اور اسے کتنا مزہ آتا ہوگا ایک بزرگ کا حال لکھا ہے کہ جب وہ قرآن شریف پڑھتے تھے تو دریا کا پانی ٹھہر جاتا تھا اور ہوا میں پرند رک جاتے تھے۔

تعلیم | علمار نے تصریح کی ہے کہ روزہ کی فرضیت نزول قرآن کے شکریہ کے طور پر ہوئی ہے۔ قاعدہ ہے کہ نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے شکر بھی اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن جیسی نعمت کا شکریہ روزہ جیسی مہتم بالشان عبادات کو قرار دیا گیا ہے۔

تعلیماتِ شیخ (وصیۃ الاحسان حصّہ دوم)

تعلیم | فرمایا کہ محمد ابن کعب فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے محمد سے کہا کہ عدل کی تعریف کرو (یہ عمر بن عبدالعزیز وہ بزرگ ہیں کہ اگر ساری امت کا عدل ایک پلڑے میں رکھا جاوے اور ان کا دوسرے میں تو ان کا پلڑا جھک جائے گا۔ یہ حجاج کے مقابل ہیں اس نے ظلم کی حد کر دی انھوں نے عدل کی انتہا کر دی) محمد بن کعب نے فرمایا کہ اُف آپ نے تو ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا مگر خیر سنئے چھوٹے کے تم باپ ہو جاؤ اور جو کوئی بڑا ہو تو اس کے لئے بیٹے بن جاؤ اور برابر والے کے لئے بھائی ہو جاؤ اور لوگوں کو ان کے جُرم اور بدن کے موافق سزا دو اور جب غصہ ہو تو ایک کوڑے سے زیادہ نہ مارو۔ (یہ نہیں کہ کوڑا اٹھا کر سڑا سٹر پیٹتے ہی چلے جاؤ)

تعلیم | (اسی سلسلہ میں) فرمایا کہ ایک مولانا صاحب کی کسی نے دعوت کی کھانے میں بہت عمدہ نرم چپاتی لا کر رکھی کہیں مولانا کے منہ سے نکل گیا کہ ماشاء اللہ چپاتی بہت ہی عمدہ پکی ہے اس پر آپ فرماتے کہ یہ جو کوڑا رکھا ہوا ہے حضرت یہ اس کی برکت ہے بیوی کو مار مار سکھلائی ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ مولوی صاحب دسترخوان پر سے اٹھ کر باہر چلے گئے اور فرمایا کہ تم ظالم ہو اور میں ظالم کے یہاں دعوت نہیں کھانا چاہتا۔ اس نے ہر چند معذرت کی مگر مولوی صاحب راضی نہ ہوئے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے اس وقت کے کھانا نہ کھانے میں میری بڑی ذلت ہے قصور معاف فرمائیے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔ توبہ کرو کہ آج سے اپنی بیوی کو کوڑے بالکل نہیں مارو گے اور پچھلے واقعات کی اس سے معافی مانگو اگر وہ معاف کر دے تب میں کھانا کھاؤں گا۔ غرضکہ انھوں نے معافی مانگی اور مولوی صاحب نے کھانا کھایا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ وہ عورت بھی اندر سے کتنی دعائیں دیتی ہوگی کہ واہ مولوی صاحب خدا تمھاری زندگی زیادہ کرے ہمارا نصیبہ کہ آپ جیسے بزرگ ہمارے گھر آئے آپ نے تو وہ کام کیا کہ ہمارے ماں باپ سے بھی نہ ہو سکا۔ آپ کے اخلاق اور تعلیم اخلاق دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق یاد آگئے کہ وہ کیسا کچھ رہا ہوگا۔ عورتوں کو آپ سے کتنی راحت پہونچی ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا کہ واقعی مولوی صاحب نے کمال کیا کہ دعوت وغیرہ کی بالکل پروا نہیں کی ورنہ آج کل کے مولوی ہوتے تو سوچتے کہ اگر ہم اس کو ٹوکتے ہیں تو یہ دروازہ بند ہو جاوے گا اور یہ عمدہ چپاتی ختم ہو جائیگی۔

یہ واقعہ اس پر سنایا تھا کہ محمد ابن کعب نے عدل کی تعریف میں فرمایا کہ جب غصّہ آوے تو ایک کوڑا سے زیادہ نہ مارو اس میں بھی جرم اور جسد کی رعایت ضروری ہے۔ دیکھئے فقہاء نے باریک اور موٹے کپڑے کو نچوڑنے میں بھی فرق

کیا ہے موٹے کو زور سے نچوڑا جاویگا اور باریک ایسا کہ پھٹ نہ جائے۔ یہ ہے شریعت کا اعتدال۔ سبحان اللہ

تعلیم فرمایا کہ بہت بڑا ظالم ہے وہ مولوی جس نے کافیہ و شرح جامی تو سمجھ لیا اور قرآن شریف کے معنی نہیں سمجھا اور اس کا یہ ظلم خود اپنے ہی نفس پر ہے اور طلبہ پر بھی کیونکہ وہ بھی ویسے ہی ہوں گے۔

تعلیم فرمایا کہ امام بخاری نے "ادب" میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عثمان بن مظعون کے استقرار ایمان کا سبب یہ آیت ہوئی تھی۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ اِلخ نیز فرمایا کہ یہ آیت قرآن شریف کی آیات میں سے اجمع ہے۔ اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے آخر خطبہ میں اسے رکھا تھا کہ لوگ سُن سُن کر تو بھلا اسے یاد کر لیں۔ نیز فرمایا کہ اگر قرآن شریف میں صرف یہی آیت ہوتی جب بھی اس کے تبیانا لکل شی ہونے کے لئے کافی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا موقع بھی تبیانا لکل شی کے بعد ہی ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ ابھی جبریل آئے اور مجھ سے کہا کہ اس آیت (ان اللہ) کو اس موقع (تبیانا) کے بعد رکھ دیجئے۔

تعلیم عرب کے ایک رئیس اکثم نامی نے اپنے دو قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنکر آپ کے پاس روانہ کئے انھوں نے آکر سوال کیا "من انت وما جئت بہ" آپ نے پہلے سوال کا جواب دیا انا محمد عبد اللہ ورسولہ اور دوسرے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ انھوں نے اس کی اطلاع اکثم سے جا کر کی تو اس نے برجستہ کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ (نبی) مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم سے بہتر کس کی تعلیم ہو سکتی ہے لہذا) تم لوگ سر بنو دیکھو ایسا نہ ہو کہ دُم بن جاؤ یعنی آپ کی اتباع کرنے میں پیش قدمی کرو کہ دوسروں کے مقتدا ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ سبقت کر جائیں اور آخر کار تم ان کی دم ہو کر رہ جاؤ۔

اہم تعلیم فرمایا کہ اصل کام یہ ہے کہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کیساتھ صحیح و درست کیا جائے اسکو نسبت کہا جاتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے جس کے متعلق صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ فرض ہے "محبۃُ اللّٰہِ علیٰ قِسمَین فرض وندب۔ بالفرض المحبۃ التی تبعثُ علیٰ امتثالِ اوامرہ والانتہاء عن معاصیہ والرضاء بما یقدرہ من وقع فی معصیۃ من فعل محرم او ترک واجب فلتقصیرہ فی محبۃ اللّٰہِ حیث قدّمَ ہویٰ نفسہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کے دو درجے ہیں فرض و مستحب، فرض وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے اور معاصی سے بچنے اور اسکی تقدیر پر راضی رہنے کا محرک اور باعث ہو چنانچہ جو شخص کسی حرام میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی واجب کو ترک کرتا ہے تو یہ صرف اللہ کی محبت میں تقصیر کی وجہ سے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ کی محبت سے بالکل خالی ہوتا ہی یا محبت کی اس میں کمی ہوتی ہی اسی سے تو اپنی خواہش کو احکام خداوندی پر مقدم کرتا ہی (اللہ تعالیٰ کی یہ محبت حاصل ہوتی ہی بزرگان دین کی محبت سے اسی سے ان حضرات سے تعلق پیدا کیا جاتا ہی از ناقل) اور یہ اللہ کیساتھ معاملہ صحیح کرنا جب ہی ہو سکتا ہو کہ اسکے سب احکام کی پیروی کیجائے (درس میں یہ بھی ہے کہ بلوغ (جوان ہونے کے بعد سے جو احکام فوت ہوئے ہوں ایک ایک کرکے انکو ادا کیا جائے اور یہ جب

تعلیمات شیخ (وصیۃ الاحسان حصہ دوم)

فرمایا بعض اکابر کے مکاتیب اس وقت شایع ہوئے ہیں۔ اس میں محشی کی طرف سے اس قسم کے مضامین آگئے ہیں جو بعض طبائع کو سخت ناگوار ہیں وہ اسے اپنے اکابر کی توہین سمجھتے ہیں۔ یہ امر چونکہ نا اتفاقی کا سبب ہو سکتا ہے اسلئے لوگوں کو اپنے اپنے طور پر منع کیا گیا اور سختی سے منع کیا گیا اور انھیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی اور یہ خیال ہوا کہ شاید کوئی صاحب اس کے رد میں کوئی مضمون لکھدیں جو دوسری جانب بھی تکدر کا سبب بنے اس لئے یہ تحریر لکھدی کہ مہربانی فرما کر کوئی صاحب اپنے جوش محبت اور فرط عقیدت سے کام نہ لیں اور کوئی مضمون نہ لکھیں۔

میں سب حضرات سے بالخصوص حضرات دیوبند سے درخواست کرتا ہوں کہ اب کوئی صاحب اس کا قصد نہ فرمائیں اور جماعت میں مزید انتشار نہ پیدا کریں۔ میں نے ایک مضمون لکھا ہے جس کو ذیل میں درج کرتا ہوں اس کو بغور پڑھیں۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد ناظرین باتمکین کی خدمت میں بصد ادب عرض ہے کہ میرے متعلق کسی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تو میں تو ضرور بالضرور صوفیہ کرام کا بدنام کنندہ ہوں ان کی ایک بات بھی اپنے اندر نہیں پاتا لہٰذا میرے متعلق تو یہ بالکل صحیح ہے میں اس کے لئے صرف یہ کہتا ہوں کہ۔ ع

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

جب میں یہ سمجھتا ہوں تو میرے متعلقین ومحبین کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اس کے خلاف سمجھیں یا کریں باقی دربارۂ حضرات اکابر جو کلام کیا گیا ہے ان کا اس میں کچھ ضرر نہیں کہ وہ سب اب دنیا میں نہیں ہے اور جو حضرات انکے معتقدین ہیں اس سے ان پر بُرا اثر نہیں پڑ سکتا اور جو معتقدین نہیں وہ جواب سے بھی مطمئن نہیں ہونگے لہٰذا ان کی طرف سے جواب دینا میرے خیال میں بیکار ہے۔ رہا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ کچھ لکھ کر رفع اشتباہ کیا جائے تاکہ جماعت میں بُعد نہ ہو میرا خیال یہ ہے کہ جواب دینے ہی میں بعد ہے والسلامۃ فی السکوت میں اسکو ضروری سمجھتا ہوں کہ کوئی چیز اب ایسی نہ کیجائے جو مزید بُعد کا سبب بنے اس سے زیادہ کلام کرنے کو مضر سمجھتا ہوں البتہ نصیح بنصیح کے طور پر بصد ادب اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر متبوع اپنے متعلقین کی اصلاح کرے اور متعلقین میں خلوص پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے متعلقین کو ہر متبوع سختی کے ساتھ دوسرے متبوع بلکہ اس کے متوسلین کی اہانت وبے ادبی وترک تکریم سے منع کرے اور دل سے منع کرے اور کسی قسم کی اس میں رعایت ومروت کو ہرگز دخل نہ دے اور جو اس کے خلاف کرے اُسے

اپنے یہاں سے نکال دے اس کے سوا باہم ائتلاف کی کوئی صورت نہیں ۔ شعر

نام نیک رفتگاں ضائع مکن   تا بماند نام نیکت پائدار

دفع غفلت کا علاج

فرمایا کہ علماء نے لکھا ہے کہ مقصود ذکر کرنے سے دفع غفلت ہیں اور یہ حاصل نہیں ہوتا بدون وقوف قلبی کے (یعنی دلی توجہ کے) کسی نے کیا خوب لکھا ہے ۔

علی بیض قلبک کن کانک طائرہ   فمن ذالک الاحوال فیک تولد

یعنی اپنے دل کے انڈے پر پرندکی طرح ہو جاؤ   اس لزوم کی وجہ سے تم میں حالات عجیبہ پیدا ہونگے

نماز میں دل لگنے کا طریقہ فرمایا علماء نے فرمایا ہے کہ فرض نمازوں سے پہلے جو سنتیں شروع ہوئیں تو ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ تاکہ دل ہر طرف سے سمٹ کر خدا تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائے اور پھر فرض خداوندی جو ادا کیا جائے تو وہ حضور دل سے ادا ہو اس سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اگر تھوڑی دیر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی جائے خواہ سنت و نفل پڑھ کر یا کوئی اور ذکر وغیرہ کر کے اور اس کے بعد فرض ادا کرے تو امید ہے کہ نماز میں یکسوئی رہے گی ۔

فرمایا الاشہر فی تفسیر الصالح انہ القائم بما یجب علیہ من حقوق اللہ وحقوق عبادہ صالح کی تفسیر میں مشہور تر قول یہ ہے کہ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں (دونوں)، کے حقوق جو اس پر واجب ہیں ادا کرنے کا پابند ہو ۔ (اور جو شخص ان میں سے کسی میں اخلال کرے وہ صالح نہیں)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں متعدد جگہ غفلت کی مذمت بیان فرمائی ہے اور اسکی نسبت کفار کی جانب کی ہے جس سے اس کی قباحت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے ۔ نیز نصوص سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غفلت قلب کی صفت ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا الآیۃ اور حدیث شریف میں ہے کہ ان اللہ لا یستجیب الدعاء عن قلب لاہ یعنی اللہ تعالیٰ غافل قلب سے کی ہوئی دعا قبول نہیں فرماتے اور اگر دعا کے معنی عبادت کے لئے جاویں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ غافل قلب سے کی ہوئی عبادت قبول نہیں فرماتے ۔

مذکورہ بالا آیت و حدیث میں تصریح ہے کہ غفلت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے نیز یہ کہ غفلت کی ضد ذکر ہے تو جس طرح غفلت کی قلب کی صفت ہے ذکر بھی قلب ہی کی صفت ہوگی ۔ میرا خیال یہ ہے کہ غفلت آج عام طور پر لوگوں کے قلوب پر مسلط ہے اور قلب کی ایک مستقل بیماری بلکہ اس میں ام الامراض کی حیثیت سے جاگزیں اور راسخ ہو چکی ہے اور انتہا یہ ہے کہ لوگ آج نہ تو اسکو مرض ہی سمجھتے ہیں اور نہ انکو اسکا احساس ہے کہ ہمارے اندر یہ مرض موجود ہے پھر جب کسی کو نہ تو مرض ہی کا علم ہوا اور نہ اپنے مریض ہونیکا تو اسکے اس مرض سے صحت یاب ہونیکی کیا امید کی جاسکتی ہے ۔ غفلت کا علاج ذکر ہے مگر وہ ذکر جو دل سے ہو نہ کہ صرف زبان سے آج لوگ ازالۂ غفلت کیلئے ذکر وغیرہ تو کرتے ہیں مگر چونکہ وہ صرف زبان سے ہوتا ہے اسلئے سب کچھ کرنے کے باوجود قلب کا حال ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے اور ذکر کرنے والے کرتے تو ہیں صرف اوپری دل سے مگر سمجھتے یہ ہیں کہ دل سے کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ نفع نہیں ہوتا ۔

آج اگر یہی ایک بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے تو اصلاح کیلئے کافی ہے ۔ ہم نے مختصراً یہ اتنی بات بیان کر دی جاتی تفصیلات معلوم کرنے کیلئے اکابر طریق کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

مضمون تہجد

ان دنوں تہجد کے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم نے آیات و روایات اور بزرگان دین کے حالات سے بہت کافی مواد جمع فرمادیا جو ان لوگوں کے لئے نہایت ہی نافع اور موثر ثابت ہوا جو اس دولت کے خواہشمند تو ہیں لیکن اس کی تحصیل میں ابھی تک پورے طور پر کامیاب نہیں ہو رہے ہیں۔ اسی طرح ان حضرات نے بھی اس سے بہت فائدہ اٹھایا جو بحمداللہ تعالیٰ پہلے سے اس کے پابند ہیں لیکن وہ اب جو حالات اپنے لکھتے ہیں اس میں اور ان کے پہلے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اَوْ دَعَا اُسْتُجِیْبَ فَاِنْ تَوَضَّأَ وَصَلّٰی قُبِلَتْ صَلٰوتُہٗ۔

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص رات کو بیدار ہو پھر یہ کہے اللہ صرف ایک ہے اکیلا اس کا کوئی شریک نہیں ہے تمام ملک اسی کا ہے اور جملہ تعریفیں اسی کو لائق ہیں اور وہ ہر اس کام پر (جس کو وہ چاہے) قدرت رکھنے والا ہے جملہ تعریفیں اللہ ہی کو زیبا ہیں اور وہ تمام برائیوں سے پاک ہے اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور نیک کام کرنے کی طاقت اور برے کام سے باز رہنے کی قوت اسی کی طرف سے ملتی ہے۔ پھر کہے اے اللہ مجھ کو بخش دیجئے یا اور کوئی دعا کرے تو وہ دعا سن لی جاتی ہے پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو مقبول ہوتی ہے اس حدیث شریف کے ذیل میں فتح الباری میں علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے جس کو یہ حدیث پہنچے وہ اس پر عمل کرنے کو غنیمت سمجھے اور اپنے رب کے ساتھ اپنی نیت کو خالص کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ قیام لیل عام طور پر شاق ہے۔ بجز ان لوگوں کے جنھیں شب میں اٹھنے کی توفیق دیجاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ لوگ قیام کو آسان کرنے والے ظاہری اور باطنی اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا تہجد میں اٹھنے کی توفیق جس کسی کو ہوگی اس کو ان اسباب کے کرنے کی توفیق پہلے ہوگی۔ اسباب ظاہری یہ ہیں:۔ کم کھانا۔ دن میں مشقت کم کرنا۔ گناہوں سے اجتناب رکھنا۔ قیلولہ کرنا۔ اسباب باطنی یہ ہیں:۔ مسلمانوں سے کینہ نہ ہونا۔ نیز بدعات و ہموم دنیا سے قلب کا فارغ ہونا۔ فکر و خوف آخرت کا ہونا فضائل تہجد کا پیش نظر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہونا اور ایمان کا قوی ہونا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب میں قیام (یعنی نماز تہجد) کو لازم پکڑو کیونکہ یہ تم سے پہلے کے تمام انبیاء و اولیاء کی سیرت قدیمہ ہے (لہٰذا اسکی حفاظت کرو اور اسکا بقا تمہارے ذمہ لازم ہے اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو یہ سنت دنیا سے اٹھ جائیگی جس کے باعث تم ہوگے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص تہجد گذار نہیں ہے وہ پورا صالح نہیں صرف اس کا ظاہر اچھا ہے باطن نہیں) اور تمہارے لئے اپنے مولیٰ سے قرب محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے (جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ یعنی بندہ برابر بذریعہ نوافل مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ اس کو میں اپنا محبوب بنالیتا ہوں) اور پچھلے گناہوں کے لئے ساتر اور عیوب کیلئے ماحی ہے (جیسا کہ نص قرآنی ہے کہ ان الحسنات یذھبن السیئات یعنی بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں) اور آیندہ کیلئے انسان کو گناہ سے روکنے والی بھی ہے (جیسا کہ ارشاد ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر یعنی بیشک نماز بیحیائی اور برائی کی باتوں سے روک دیتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ مطردۃ للداء من الجسد یعنی بدن سے بیماریوں کو دفع کرنے والی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیاوی یا دینی خیر کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکو وہ عطا فرمادیتے ہیں (یعنی اس گھڑی میں مسلمان جو کچھ بھلائی مانگتا ہے وہ مل جاتی ہے) اس حدیث سے رات کی فضیلت دن پر علماء نے ثابت کی ہے مگر آج کل کے بے نیک جو ہیں ان کو کچھ خبر نہیں نہ یہ معلوم کہ رات کی کیا حیثیت ہے اور نہ یہ معلوم کہ تہجد کے کیا فضائل ہیں۔ امام ابوالعباس فرماتے ہیں کہ رجال اللیل ھم الرجال (یعنی رات ہی کے مرد حقیقت میں مرد ہیں) [۱۲]

نیز عربی کا ایک شعر ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر یا لیت اوقاتھا تدوم
(رات عاشقوں کے لئے پردہ ہے کاش اسکے اوقات ہمیشہ رہتے)

اور کسی نے خوب کہا ہے ؎

گر روز نیابی زغوغائے عرب شب محرم عاشقانست شہاش طلب
(یعنی اگر لوگوں کے شور وغوغا کی وجہ سے تم اسکو دن میں نہ پاسکو تو رات عاشقوں کی محرم ہے اس کو رات میں طلب کیا کرو)

کسی کا اردو میں ایک شعر ہے ؎

دلوں کا مہر نہ غائب کبھی ہو لیل و نہار خور نہار چھپے رات میں بلا انکار

(ہمارے حضرت نے فرمایا) کہ جس کی تہجد اچھی اسکی رات اچھی اور جسکی رات اچھی اسکا دن اچھا۔ لوگ اچھے اچھے حالات کے خواہشمند تو ہیں لیکن نہ اپنی رات کو اچھی بنانے کی فکر ہے اور نہ دن کو اچھا بنانا چاہتے ہیں حالانکہ حال درست ہوتا ہے عمل سے۔ احوال عمل کے تابع ہوتے ہیں باقی عاشقوں کا سا عمل اور اس کے ساتھ اہل اللہ جیسے حالات کی تمنا بجز خام خیالی کے کچھ نہیں اور عمل بھی صرف ظاہری کافی نہیں ہے بلکہ باطنی عمل کی ضرورت ہے ورنہ تو صرف ظاہری ہی پر قناعت کبھی اس کے بھی ترک کا سبب بنجاتی ہے۔ جیسا صاحب روح المعانی نے آیۃ مثلھم کمثل الذی استوقد نارا کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس شخص کی بھی مثال ہے جو اولیاء اللہ کے طریقے میں بلا تحقیق محض تقلید کے طور پر داخل ہوا اور صرف عمل ظاہری کئے چنانچہ اس کے کرنے سے کوئی ایمانی حلاوت اس کو نہ ملی یس احوال کو نہ پاکر ان ظاہری اعمال کو بھی چھوڑ بیٹھا۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۵۶)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کی گدی پر تین گرہیں جبکہ وہ سوتا ہے ہے لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ کہتے ہوئے ضرب لگاتا ہے کہ ابھی رات بہت زیادہ ہے سو رہو پس اگر انسان اٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو بھی کرلیتا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے بس انسان نشاط والا اور طیب النفس ہو کر صبح کرلیتا ہے ورنہ سارا دن خبیث النفس اور کسلمند ہی رہتا ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں جبکہ ایک تہائی شب باقی رہتی ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اسکی اجابت کروں (اسکو جواب دوں) کون مجھ سے کچھ سوال کرتا ہے کہ میں اسکو وہ چیز دوں اور کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہو کہ میں اس کو بخش دوں۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

ہر رات کے پچھلے حصے میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے جو سوتا ہے سو کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

فتح الباری میں ہے کہ جس کا معمول کسی فرض یا تہجد وغیرہ کا ہو اور کسی دن اسکی آنکھ لگ جائے اور وہ نہ اٹھ سکے تو اللہ تعالیٰ اسکو اس نماز کا ثواب دیں گے اور اس کی یہ نیند اس پر صدقہ ہے۔

ریاض الصالحین ص میں بخاری و مسلم کی روایت سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ جو شخص رات کو سوجانے کی وجہ سے اپنے معمول کو ادا نہیں کرسکا پھر اسکو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کیلئے ایسا ہی ثواب لکھا جائیگا گویا اس نے رات ہی کو پڑھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ لیل (نماز تہجد) کا حکم فرمایا ہے اگرچہ ایک ہی رکعت ہو یعنی چاہے آخر وقت میں اٹھ کر پڑھے کہ ایک رکعت تو تہجد کے وقت میں ادا ہو اور دوسری صبح صادق کے بعد۔ تو چاہیئے کہ ایسی صورت میں دو رکعت پوری کرے اور ان دونوں کا شمار تہجد ہی میں ہوگا لیکن چونکہ ایک رکعت رات میں (صبح صادق سے پہلے) پڑھی ہے اسی کو حدیث شریف میں (اگرچہ ایک ہی رکعت) فرمایا گیا ہے ورنہ تو ایک رکعت کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔

روح المعانی میں ہے کہ سلف صالحین قیام لیل (نماز تہجد) پر ایسی مواظبت (ہمیشگی اور دوام) فرماتے تھے جیسی کہ فریضۂ اسلام پر کیجاتی ہے اور یہ اس لئے کہ اس میں محبوب کیساتھ خلوت اور اُنس کا ان کو موقع ملتا تھا اور محبوب ان کے بالکل بدون کسی رقیب کے ہوتا تھا۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

کب رات ہو کب ان سے ہوں خلوت میں پھر بہم رہتی ہے دُھن یہی ہمیں دن بھر لگی ہوئی

وصیتہ الاحسان حصّہ دوم

عافیت کے معنی

تعلیم نمبر ۱

فرمایا کہ حضرت رفاعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عافیت کے معنی یہ ہیں کہ سانس بدون تکلیف کے آوے اور رزق آسانی سے ملے اور عمل اخلاص کے ساتھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بدن میں کوئی تکلیف وغیرہ ہو تو عافیت حاصل نہیں ہے۔ لوگ بس اسی کو عافیت سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا مفہوم اتنا ہی نہیں ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ رزق بھی آسانی کے ساتھ ملے یہ بھی عافیت کے مفہوم میں داخل ہے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ عمل ہو اور اخلاص سے ہو یہ بھی عافیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

اور یہ اس لئے کہ عافیت دو ہے ایک تو یہاں اس دار کی عافیت اور ایک وہاں اس دار کی عافیت اور اس دار کی عافیت تو منوط (وابستہ ۱۲) ہے جسم کے آرام اور رزق کے ساتھ اور اس دار کی عافیت منوط ہے عمل اور اخلاص کے ساتھ اور مطلوب دونوں ہی جہان کی عافیت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا اللّٰھم عافنا فی الدنیا والآخرۃ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کے فرمانے کے بعد اب معلوم ہوا کہ اللّٰھم عافنا فی الدنیا والآخرۃ کا یہ مطلب ہے ورنہ بدون ان حضرات کے بتائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بھلا تبلایئے کہ عافیت کی یہ حقیقت جو حضرت رفاعی رح نے بیان کی کوئی کیسا ہی ذہین اور ذی استعداد شخص اپنی ذہانت سے سمجھ سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مفاہیم کا بھی الہام ہوتا ہے۔ پس یہ حضرات جو مطلب بیان فرماتے ہیں الہام سے بیان فرماتے ہیں۔

فرمایا کہ عافیۃ کی مناسبت سے ایک حدیث اور بیان کرتا ہوں سبحان اللہ اس کا کیا عمدہ عنوان ہے اور اس میں کیا عمدہ مضمون ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

ان للہ تعالے ضنائن من خلقہ یغذوھم فی	بیشک اللہ تعالی کی مخلوق میں اس کے کچھ مخصوص بندے
رحمتہ یحییھم فی عافیۃ ویمیتھم فی عافیۃ	ہیں جن کو صبح کرتا ہے اللہ تعالے اپنی رحمت میں۔ زندہ
واذا توفاھم توفاھم الی جنتہ اولئک الذین	رکھتا ہے ان کو عافیت میں۔ اور موت دیتا ہے ان کو
تمر علیھم الفتن کقطع اللیل المظلم وھم	عافیت میں اور جب وفات دیتا ہے تو وفات دیتا ہے۔

مھانی عافیۃ

(طب حل) عن ابن عمرؓ

(جامع صغیر صفحہ ۲۳ ج ۱)

ان کو اپنی جنت کی طرف یہی وہ لوگ ہیں کہ ان پر اندھیری تاریک رات کے ٹکڑوں کے فتنے گذرتے لیکن وہ لوگ اس سے عافیت میں رہتے ہیں۔

(رواہ طبرانی۔ وابو نعیم فی الحلیۃ عن ابن عمرؓ)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ان للہ تعالیٰ عباداً یضن بھم عن القتل ویطیل اعمارھم فی حسن العمل ویحسن ارزاقھم ویحییھم فی عافیۃ ویقبض ارواحھم فی عافیۃ علی الفرش فیعطیھم منازل الشھداء۔

(طب) عن ابن مسعودؓ

(جامع صغیر صفحہ ۲۳ ج ۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے مخصوص بندے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کو قتل ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور حسن عمل کے اندر ان کی عمریں دراز فرماتا ہے اور ان کے رزق کو اچھا کردیتا ہے اور ان کو عافیت میں زندہ رکھتا ہے اور بستر ہی پر عافیت میں ان کی روحوں کو قبض فرماتا ہے لیکن ان کو درجات اور مراتب شہداء کے مرحمت فرماتا ہے۔

(رواہ طبرانی عن ابن مسعودؓ)

فرمایا کہ چونکہ عافیت کا مضمون بیان ہو رہا ہے اسی کی مناسبت سے ایک اور حدیث بیان کرنے کو جی چاہتا ہے اس کو بعد میں بیان کرتا مگر طبیعت نہیں مانتی وہ یہ کہ منجملہ اسباب مفوتۂ عافیۃ کے ایک سبب قرض بھی ہے (یعنی جن امور نے آج مسلمانوں کے عافیۃ کو ختم کر رکھا ہے ان میں سے ایک یہ قرض ہے) اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

ایاکم والدین فانہ ھم باللیل ومذلۃ بالنھار۔

(ھب) عن انسؓ

(جامع صغیر للسیوطی رح) صفحہ ۲۹۳

یعنی اپنے کو قرض سے بچاؤ کیونکہ وہ رات میں تو سبب ہے ہم و غم کا (کہ اسکی وجہ سے ایک فکر سی سوار رہتی ہے اور فکر کا غلبہ رہتا ہے کہ کہاں سے یہ ادا ہوگا۔ رات تو اس حال میں گذرتی ہے) اور دن میں سامان ذلت ہے (کیونکہ دین کی وجہ سے قرضخواہوں کے تقاضے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے برابر ذلت کا خوف رہتا ہے اس طور پر گویا یہ رات و دن کی ایک ضیق ہے)

سبحان اللہ کس قدر شفقت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کہ آپ نے اس کو ذلت اور پریشانی سے بچایا بلکہ اس کے اسباب سے بھی بچاکر عزت کا سبق سکھلایا اور ذلت سے تحریر فرمائی۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں آپ نے امت کو عزت و شرف کے اسباب کی جانب رہنمائی فرمائی ہے

ارشاد فرمایا کہ :-

اتانی جبرئیل فقال یا محمد عش ماشئت فانک میت واحبب من شئت فانک مفارقہ واعمل ماشئت فانک مجزی بہ واعلم ان شرف المومن قیامہ باللیل وعزہ استغناءہ عن الناس۔

(ھب) عن جابر رضؓ

(حل) عن علی رضؓ (جامع صغیر)۔

میرے پاس حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جب تک بھی چاہیے زندہ رہیئے بالآخر ایک دن موت ہے اور جس سے چاہیے محبت کیجیے۔ آخر کار آپ کو (ایک دن) اسے چھوڑنا ہی ہے۔ اور جو بھی چاہیے عمل کیجیے۔ آپ اس کا بدلہ پائیں گے اور یہ جان رکھیے کہ مومن کا شرف تو قیام باللیل (یعنی شب بیداری اور نماز تہجد) میں ہے اور اس کی عزت لوگوں سے استغنا برتنے میں ہے۔

(تعلیم نمبر۲)

فرمایا ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ :-

عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حوسب رجلٌ ممن کان قبلکم فلم یوجد لہٗ من الخیر شئی الا انہ کان رجلا موسراً فکان یخالط الناس فکان یامر غلمانہٗ ان یتجاوزوا عن المعسر فقال اللہ تعالٰے نحن احق بھٰذا منہ تجاوزوا عنہ

(ابواب البیوع باب انظار المعسر والرفق بہٖ)

حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قوم کے ایک آدمی سے (مرنے کے بعد) حساب کتاب کیا گیا تو اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی۔ بس اتنی بات ضرور تھی کہ وہ روپیہ والا ذی حیثیت آدمی تھا۔ وہ لوگوں سے ملتا جلتا رہتا تھا۔ (لین دین کرتا تھا) اور اپنے کارندوں کو حکم دیتا تھا کہ تنگدست سے درگذر کیا کریں تو (مرنے پر حساب کے وقت) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس آسانی دینے کے اس سے زیادہ مستحق ہیں (اے فرشتو) تم بھی اس سے درگذر کرو۔

اس کی شرح میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب مضمون بیان فرمایا ہے۔

قولہ فلم یوجد لہٗ من الخیر شئیٌ ای من الخیر الذی یوجب لہٗ انفتاح الغرفۃ الی الجنۃ ورفع الدرجات واما اصل الایمان فغیر منفی عنہ ومن ھٰھنا یعلم ان الرجل اذا فعل خیراً ولم ینو بہ الثواب بل انما کان لاعتیادہ

حدیث میں جو یہ فرمایا کہ "اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی" تو مراد طلبی نیکی ہے جس سے وہ مستحق ہو سکتا کہ (قبر میں) جنت کی طرف کی کھڑکی کھل سکے اور اس کے درجے بڑھ سکیں ورنہ اصل ایمان کی نفی نہیں کیجارہی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی آدمی کوئی نیک کام کرے مگر وہ

كريم الاخلاق او لمقتضى طبعه ان يرحم بنى نوعه فانه يثاب عليه اذ لو كان الرجل المذكور فى الحديث ينوى بانظاره ذالك اجر الآخرة لما قيل "فلم يوجد له من الخير شئ" وينبغى ان يعلم ان هذه المحاسبة له قد وقع فى القبر على خلاف ما جرت به العادة من انهم يحاسبون يوم القيامة لا قبله، وكثيرا ما يعبر عن احوال الحشر بلفظ الماضى ليتقن وقوعها فلا يبعد ان يكون المذكور فى الرواية جاريا على تلك الطريقة او يكون قد كشف عليه صلى الله عليه وسلم فذكره بلفظ الماضى لما انه قد شاهده وعاينه. وهذا كثير فى الكتاب والسنة. او يقال ان المراد بالمحاسبة هو النظر اليها والمقابلة بين سيأته وحسناته والموازنة فيها من غير ميزان لا المحاسبة الحقيقية ثم اعلم ان المذكور فى اخبار احوال القبر واهوال الحشر انما هو حال الكفرة الخلص او المومنين الكمل. واما ما يجده فى القبر فساق الامة وفجارها فقد طوى ذكرها فى الاحاديث والذى يعلم بعد تتبعها انهم يعذبون فى قبورهم ومع ذالك فيراحون ويوعد لهم الخيرات ولا يقنطون فكان تعذيبهم كتعذيب الاباء والامهات اولادهم او كتعذيب الاطباء والجراحين المرضى او الجرحى باشرابهم ادوية كريهة الطعم وشق الجروح فان هؤلاء ما يقاسون كل ذالك لا ييأسون عن برءهم وصحتهم ولا يبغضون من عذبهم ويعلمون انهم يغسلون بذالك التعذيب عن دنس الاوساخ التى ارتكبوها فى الدنيا من منهياته تعالى۔

(الكوكب الدرى صـ ۳۸۳)

اسے ثواب کی نیت سے نہ کر رہا ہو بلکہ اس لئے کیا ہو کہ یا تو وہ بلند اخلاق کا عادی ہو گیا ہے یا اس لئے کیا ہو کہ اس کی طبیعت کا اقتضا ہی یہ ہے کہ وہ اپنے بنی نوع انسان پر ترس کھائے تب بھی اسے اس پر ثواب ملیگا۔ کیونکہ جس شخص کا حدیث میں ذکر ہے اگر اس نے اس درگذر کرنے (یا مہلت دینے) سے ثواب آخرت کی نیت کی ہوتی تو یقیناً حضور یوں نہ فرماتے کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اس کا یہ حساب کتاب (جس کا ذکر حدیث میں ہے) اسکے لئے قبر ہی میں ہو گیا بخلاف اس عام عادت کے کہ سب کا حساب قیامت میں ہوگا نہ کہ پہلے۔ اور حشر کے احوال کی تعبیر اکثر لفظ ماضی ہی سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے تو یہ بھی ناممکن نہیں کہ روایت میں جس کا ذکر ہے وہ اسی عام عادت جاریہ کے مطابق ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکشوف ہوا۔

لہذا آپنے ماضی کے لفظ سے ذکر فرمایا کیونکہ آپنے اسکا مشاہدہ اور معاینہ فرمایا تھا اور کتاب و سنت میں یہ صورت اکثر ہوتی ہے۔ یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ محاسبۃ سے مراد صرف حساب کتاب پر نظر ڈال لینا ہے کہ اسکی برائیوں اور اسکی نیکیوں کے مقابلہ کر لیا گیا اور دونوں کا موازنہ کر لیا گیا بغیر اس کے کہ اسکی میزان لگائی جائے نہ کہ محاسبہ حقیقیہ ہو۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ قبر کے حالات اور حشر کی ہولناکیاں یہ یا تو خالص کافروں کے حالات ہیں یا کامل مومنین کے لیکن اس امت کے فساق و فجار اپنی قبروں میں کیا حالات پائیں گے تو احادیث میں اس کا ذکر لپیٹ دیا گیا ہے۔ ہاں بہت تلاش اور جمع احادیث سے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انکو انکی قبروں میں عذاب تو ہوگا مگر اسی کے ساتھ ساتھ انھیں راحت بھی پہنچائی جائیگی اور ان سے بھلائیوں کا وعدہ بھی کیا جائیگا اور انھیں ناامید نہ کر دیا جائیگا۔ تو انکا عذاب ایسا ہوگا جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سزا دیتے ہیں یا طبیب اور جراح لوگ مریضوں اور زخمیوں کو کڑوی دوا پلا کر یا زخم کو چیر پھاڑ کر دکھ پہنچاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ جب تک یہ تکالیف جھیلتے ہیں تو اپنی صحت اور شفا سے مایوس نہیں ہوتے اور جس سے انھیں یہ تکلیف پہونچتی ہے اس سے یہ ناگواری نہیں رکھتے اور وہ (فساق و فجار) یہ سمجھ لیں گے کہ اس تکلیف سے دراصل ان کو اس میل کچیل کرکے دھو کر پاک کیا جارہا ہے جس میں وہ لوگ دنیا میں خدا کی ممنوع باتوں کے ارتکاب سے آلودہ ہو گئے تھے۔

اَحْوالُ الصَّالِحِین

حکایت - حضرت بَصِیر حمصی نے خلیل احمد کو بعد وفات خواب میں دیکھا تو کہا کہ اب ہمیں بڑی مشکل ہوگئی کہ علمی مشکلات کا حل کس سے کریں آپ جیسا کوئی عالم نہیں ملتا۔ انھوں نے فرمایا کہ بھائی مشکلات کو تم حل کروگے پہلے یہ تو پوچھو کہ ہم جن تحقیقات علمیہ کے حامل اور اُن پر نازاں تھے ان کا حشر کیا ہوا فرمایا ہمیں تو صرف یہ کلمہ کام آیا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم باقی تحقیقات کی پوچھ ہی نہیں ہوئی۔ (ثمرات الاوراق)

ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس کے کسی پہاڑ پر جارہا تھا ناگاہ ایک آواز سُنی کوئی کہہ رہا ہے خدمت کرنے والوں کے بدنوں سے تکلیفیں دور ہوگئیں اور عبادت کی وجہ سے کھانے پینے سے غافل ہوگئے اُن کے جسم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے دیر تک کھڑے رہنے کی اُلفت ہوگئی حضرت ذوالنون کہتے ہیں میں نے اس آواز کا کھوج لگایا تو دیکھا کہ ایک جوان آدمی (ڈاڑھی بھی نہیں نکلی تھی) بیٹھا ہے چہرہ پر زردی چھائی ہوئی ہے اس طرح جھوم رہا ہے جیسے درخت کی ٹہنی ہوا سے جھک جاتی ہے ایک چادر کا تہمد باندھے اور دوسری چادر اوڑھے ہوئے تھا جب اس نے مجھے دیکھا تو درختوں میں چھپ گیا میں نے اس سے کہا اے لڑکے جفا (یہ زیادتی) مسلمانوں کے اخلاق سے نہیں ہے تو مجھ سے بات کر، مجھے کوئی وصیت کر وہ لڑکا سجدے میں گر پڑا اور کہنے لگا الٰہی یہ اس کا مقام ہے جس نے تیری پناہ لی اور تیری معرفت کے ساتھ پناہ چاہی اور تیری محبت کو پسند کیا تو اے دلوں کے معبود اور اس عظمت وجلال کے معبود جو دلوں میں بھرا ہوا ہے تو مجھے ان لوگوں سے چھپالے جو مجھے تجھ سے چھڑانا چاہتے ہیں پھر وہ جوان غائب ہوگیا۔

(۵) مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں بصرے کی عیدگاہ میں گیا وہاں سعدون مجنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے انھوں نے کہا اے مالک ایسے شخص کا کیا حال ہوگا جو صبح وشام دور دراز سفر کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے پاس نہ کچھ زاد راہ ہے نہ اس نے کچھ سامان سفر تیار کیا ہے اور وہ ایسے عادل رب کے سامنے پیش ہوگا جو اپنے تمام بندوں کا فیصلہ کرے گا (یہ فرماکر حضرت سعدون) بہت روئے میں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں کہا قسم ہے اللہ کی میں دُنیا کی حرص اور موت وبلا کی گھبراہٹ سے نہیں رویا میں صرف اس دن کا خیال کرکے رویا جو دن میری عمر کا گذر گیا اور میں اس میں کوئی نیک کام نہ کرسکا۔ قسم ہے اللہ کی توشہ کی کمی اور سفر کی دوری اور دشوار گذار گھاٹی نے مجھکو رُلایا

ہے اور پھر مجھ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جنت کی طرف جاؤں گا یا دوزخ کی طرف (حضرت مالک فرماتے ہیں) میں نے
ان کی حکمت سے بھری باتوں کو سن کر دریافت کیا کہ لوگ آپ کو مجنون بتاتے ہیں کہنے لگے تو نے بھی اسی وجہ
سے دھوکہ کھایا جس وجہ سے اور دنیا والے دھوکہ میں مبتلا ہوئے۔ لوگ مجھ کو مجنون سمجھتے ہیں اور مجھ میں کسی
قسم کا جنون نہیں ہے ہاں میرے مولیٰ کی محبت میرے دل میں میری رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے میرے
گوشت و خون اور ہڈیوں میں وہی محبت دوڑتی پھرتی ہے خدا کی قسم ہے میں اسی کی محبت سے دیوانہ ہو گیا ہوں
میں نے کہا اے سعدون تم لوگوں کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے ان سے کیوں نہیں ملتے جلتے اس کے جواب میں
انھوں نے دو شعر پڑھ دیے جن کا مضمون یہ ہے "تم لوگوں سے علٰحدگی اور اللہ تعالیٰ کی ہمنشینی کو پسند کرو اور
اسی پر راضی ہو جاؤ کیونکہ لوگوں کو جس طرح تمہارا جی چاہے الٹ پلٹ کر دیکھ لو ان کو تم اپنے حق میں بچھو ہی
پاؤ گے" (یعنی لوگوں کی دوستی سے نقصان کے سوا تم کو نفع کبھی نہ حاصل ہوگا۔) (محاسن المحسنین)

(۲) حضرت ذوالنون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ملک شام کے پہاڑوں پر سیر کر رہا تھا کہ ایک
بوڑھے آدمی کو دیکھا بلند زمین پر بیٹھا ہوا ہے بڑھاپے سے اس کی دونوں بھویں اس کی آنکھوں پر پڑی ہوئی تھیں
میں نے اس کو سلام کیا اس نے جواب دیا پھر کہنے لگا کہ اے وہ ذات جس کو گنہگاروں نے پکارا تو قریب پایا اور
زاہدوں نے اس کا قصد کیا تو اس کو حبیب پایا۔ اے وہ ذات کہ اس سے ریاضت والوں نے انس (دل بہلانا)
چاہا تو اس کو مجیب (جواب دینے والا) پایا۔ پھر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں کہ ان کو مخلوق کی پیدائش
سے پہلے ہی اپنی محبت کے لئے منتخب کر لیا (چن لیا) رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) ابوالحول مغربی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں ایک نیک آدمی کیساتھ بیت المقدس میں بیٹھا ہوا تھا اتنے
میں ایک جوان آدمی آیا لڑکے اس کو چاروں طرف سے پتھر مارتے اور کہتے تھے مجنون ہے (پاگل ہے) وہ جوان مسجد
میں آیا اور پکار پکار کر یہ کہنے لگا الٰہی تو مجھے اس گھر سے راحت دے میں نے اس سے کہا کہ یہ بات تو حکیم (سمجھدار آدمی)
کی ہے تجھ کو یہ حکمت کہاں سے ملی۔ اس نے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خدمت اخلاص سے کرتا ہے وہ اس کو عمدہ
عمدہ حکمتیں (سمجھ کی باتیں) عنایت فرماتا ہے اور حفاظت کے طریقوں سے اسکی حفاظت کرتا ہے (گناہوں سے بچاتا
ہے) مجھے نہ جنون ہے نہ میری عقل زائل ہوئی ہے بلکہ مجھے بے چینی اور خوف ہے۔ پھر اس نے چند شعر محبت و شوق
و ذوق کے پڑھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تم نے بہت اچھا بیان کیا جو لوگ تمھیں مجنوں کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔ پھر
اس نے میری طرف دیکھا اور رویا اور کہا تم مجھ سے ان لوگوں کا حال نہیں پوچھتے کہ وہ کیوں کر پہنچے اور کس طرح اللہ
تعالیٰ تک وصول ہوا میں نے کہا ہاں مجھ کو ان کا حال بتائیے تو اس جوان نے کہنا شروع کیا کہ انھوں نے اپنے
اخلاق کو پاک صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ سے تھوڑے ہی رزق (ملنے) پر راضی رہے اسی کی محبت کی وجہ سے ساری دنیا میں

حیران ہوکر پھرتے رہے۔ صدق (سچائی) کا تہمد باندھا خوف کی چادر اوڑھی عاجل فانی (دنیا) کو آجل باقی (آخرت) کے بدلے میں بیچ دیا۔ گھوڑ دوڑ کے میدان میں ہوشیار سواروں کی طرح دامن چڑھا کر (یعنی نفس کو اپنا تابع بنا کر) واحد رزاق کے ساتھ مل گئے۔ اس نے ان کو اونچے اونچے پہاڑوں میں بھگا دیا مخلوق سے ان کو چھپا دیا نہ کوئی گھر ان کو جگہ دیتا ہے نہ ان کو کسی طرح قرار ہے۔ ایسے لوگوں کی طرف دیکھنا باعث عبرت ہے۔ ان سے محبت کرنا وجہ افتخار ہے انکی تعریف خود باری تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ ان کی توصیف (مدح) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ یہ لوگ اگر کسی جگہ موجود ہوں تو پہچانے نہ جائیں۔ غائب ہوں تو تلاش نہ کئے جائیں۔ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں کوئی شریک نہ ہو اسکے بعد اس جوان نے کہا کہ تم ساری مخلوق سے وحشت کرو (دور بھاگو) واحد حق تعالےٰ سے انس (تعلق) پیدا کرو اور صبر کرو صبر ہی سے امید پوری ہوتی ہے جو کچھ رزق ملے اس پر راضی رہو بے ضرورت بولنے سے پرہیز کرو مومن کی ساری آفت بولنے ہی میں ہے اور سیر الی اللہ میں کوشش کرو جن لوگوں کے یہ اوصاف ہیں وہی لوگ بلند مرتبہ ہیں اور مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے پسند کئے ہوئے۔ ابوالحول کہتے ہیں اس شخص کی باتوں کے وقت دنیا مجھ سے بھلادی گئی تھی پھر وہ بھاگتا ہوا چلا گیا اور میں اس پر افسوس کرتا رہ گیا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حکایت[۲]۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے تو اُن کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور ادراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمھاری زوجہ حاملہ ہے اور اُس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اُس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار وتسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں جب اُنھوں نے دُعا مانگی تو اُن کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہوگئے وہ ڈر گئیں۔ اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت تمھارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اسی لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے۔ اور مشہور ولی اللہ ہوا۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت[۳]۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اُسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں تو کاہے کا فکر کرے ہے۔ جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔ آپ کو اطمینان ہوگیا شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچے۔ جیسے بھی صاحب فضل وکمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ اب اُن کی اولاد میں بجز عبدالسلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حکایت ۔ بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھ کر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازت حضوری ملنے پر زیارت کے لئے حاضر ہوا موسم تھا گرمی کا بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لے کر پانی پیو۔ بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھ دیا۔ مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا جناب آپ بادشاہت کیا کرتے ہوں گے ابھی تک خدمت گاری تو آئی ہی نہیں دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے اس کے بعد مرزا صاحب نے ترشی کے ساتھ فرمایا آیندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو۔

حکایت ۵ ۔ حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست و نزاکت طبع میں تھا۔ ایک عورت تھی نہایت بدمزاج کج خلق منہ پھٹ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اُس کی بدزبانی و ایذا دہی پر صبر کرو گے تو تم کو زانو لیا جائے گا حضرت نے فوراً پیام بھیج دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ وہ عورت اس درجہ تند خو بدخصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الاماں حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لے جاتے اور وہ سڑی سڑی سنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اُن نہ نکالتے اندر گھوٹتے آخر واپس تشریف لے آتے تھے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا سلام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ مغلظات بکتی تھی کہ سننے والے شرما جاتے تھے مگر مرزا صاحب کے خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرماویں سن لینا۔ ایک روز کوئی ولایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا ہر چند اس کو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بیچارہ ضبط نہ کر سکا جب دروازہ پر پہنچ کر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا۔ پیر بنا بیٹھا ہے اُسے یوں کروں اور روں کروں ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور غصہ میں آ کر کہا چپ رہ ورنہ گردن اُڑا دوں گا اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہو گئی اب لگی ہونے تو تو میں میں غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اُٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بلا بھیجا اُس کو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سن کر واپس آ گیا۔ حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت مشکور و احسان مند ہوں اس کے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدائد اور سختیوں کی برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپ کا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا۔ (تذکرہ)

خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولٰنا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانے کا ارادہ ہوا یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا جب علماء رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جاوے اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کے لئے منتخب بھی کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چلکر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات ہوئی اور ان لوگوں سے کہا کہ آپ صاحبوں کا رامپور تشریف لیجانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء نے آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء ان کے خاص طور پر درپے ہیں۔ اسکے بعد وہ خاص طور پر مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور ان سے خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لیجاویں۔ مولٰنا نے فرمایا کہ یہ آپکا احسان ہے کہ آپ نے ہم لوگوں کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپ کے ممنون ہیں۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکی وجہ سے اتنی پریشانی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کرینگے یا منقول میں گفتگو کریں گے تو جو بات ہمیں معلوم ہوگی ہم اس کا جواب دینگے اور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدیں گے کہ ہم نہیں جانتے اور اگر وہ معقول میں گفتگو کریں گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی دی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ جمع اچھالیں گے اسکے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے اچھالیں گے۔ دیکھیں گے کہاں تک چلتے ہیں۔ غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رامپور پہنچے جب وہ رامپور پہنچے ہیں تو حسب قرارداد باہمی علماء رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرے کیلئے بھیجا اس نے پہنچکر مولانا سے سوالات شروع کئے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا۔ یہ گفتگو تین روز تک رہی۔ جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کروں انھوں نے اجازت دی مولٰنا نے صرف چار سوال کئے دو معقول کے اور دو منقول کے مگر انکو جواب نہ بن آیا اس لئے انھوں نے مہلت چاہی کہ میں کل جواب دوں گا آپ نے اجازت دیدی۔ اگلے دن صبح کی نماز کے وقت ان کا حجرہ نہیں کھلا لوگوں نے نماز کیلئے اٹھانا چاہا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اتار کر اندر داخل ہوئے تو دیکھا وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انھوں نے سر میں پتھر مار کر خودکشی کر لی ہے۔ (ارواح ثلثہ)

خانصاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا علی نقی خاں اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اس کا میر منشی علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کے لئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا۔ اس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں مولٰنا

اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے اس لئے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ فرمادیجئے۔ مولانا عبدالحی صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جائے اس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے اس لئے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا اس مرتبہ بھی انہوں نے کچھ جواب نہ دیا تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا مولانا پھر بھی خاموش رہے۔ اس پر سجان علی خاں بولا کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں۔ ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے۔ اسلئے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔ یہ سنکر مولانا عبدالحی صاحب نے زور سے ہوں کر کے (کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اول ہوں کر لیتے) فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان اور یہ فرماکر سلسلہ تقریر شروع فرمایا اور اول ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیاء تھے اور ابلیس بے حیا اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیاء ہونا اور ان کی قوم کا بے حیاء ہونا ثابت فرمایا پھر دوسرے انبیاء کا باحیا ہونا اور انکے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت فرمایا اور آخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت فرمایا اسکے بعد صحابہ کا باحیا ہونا اور انکے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت فرمایا۔ اسکے بعد فرق اسلامیہ میں اہل سنت کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بیحیا ہونا ثابت کیا اور خاتمہ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ سنت انبیا اور ان کے متبعین کے مطابق عبدالحی باحیا ہے اور روافض بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کیمطابق بے حیاء اور اس پر تقریر کو ختم فرمادیا یہ مضمون تو ختم ہوا اثنائے تقریر میں سجان علی خاں مولوی عبدالحی صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے وہ سوالات وجوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر یاد ہیں وہ لکھواتا ہوں۔ مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر میں حضرت عمرؓ کی فتوحات کا اور ان منافع کا بھی ذکر آگیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہنچے اس پر سجان علی خاں نے باآواز بلند حدیث پڑھی ان اللہ لیوید ہذا الدین بالرجل الفاجر اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھے اور مولوی عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا جواب میرے ذمہ ہے اور سجان علیخاں کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ سجان علی خاں تم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی اس نے اقرار کیا کہ ہاں آپ نے پھر یہی سوال کیا اس نے پھر وہی جواب دیا۔ جب سب کے سامنے کئی بار اس سے اقرار کرالیا تب فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمر فاجر تھے یا نہ تھے۔ لیکن اس وقت آپ نے اتنا تسلیم کرلیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی اب اتنا ذرا اور بتادو کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا یا اصول سنت کے مطابق اس کے جواب میں سجان علی خاں بالکل خاموش ہوگیا۔ جب وہ جواب نہ دے سکا تو خود مولانا نے فرمایا۔ کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا اس لئے ضرور یہی کہا جاویگا کہ اصول اہلسنت کیمطابق نفع پہنچا۔ پس ثابت ہوا کہ دین حق مذہب اہل سنت ہے ایک موقع پر مولوی عبدالحی صاحب نے حضرت علی کے متعلق کچھ بیان فرمایا اسی موقع پر سجان علی خاں نے حدیث لحمک لحمی ودمک دمی پڑھی اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے اس کا بھی جواب میں دوں گا اور اس کے بعد سجان علیخاں سے فرمایا

کہ سجان علی خاں سنو اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر اس کے جواب میں سجان علیخاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر۔ اسکے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے صحیح نہ ہوا۔ سجان علیخاں سے کچھ جواب بن آیا اور خاموش ہوگیا۔ ایک موقع پر سجان علیخاں نے مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپکے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے بلکہ انکے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کرسکتے ہیں اسکے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ان کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا۔ پس یہ تعمیل ہے حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کہ نسخ حکم نبوی۔ اسکے جواب میں بھی سجان علی خاں خاموش ہوگیا اور کوئی جواب بن آیا غرضکہ اسی طرح اور بھی کئی سوال وجواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سجان علی خاں ہر مرتبہ ساکت ہوا آخر میں ایک موقع پر پھر اس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا تھا کہ مولانا کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سجانعلی خاں سے کہا بس کرو بہت گالیاں سنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک ملازم پیشہ ہوں۔ میری تنخواہ بھی کافی ہے مگر باوجود اسکے مجھ کو اسکی خواہش ہے کہ میری ترقی ہو اور میں اسکی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر حب دنیا کا مرض ہے۔ لہٰذا میرے اس مرض کا جو علاج ہو وہ فرمایا جاوے۔ حضرت والا نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ انکے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ مرض باطنی کی حقیقت ہی نہیں سمجھے اسپر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت باطنی مرض کی کیا حقیقت ہے فرمایا مرض باطن کی تعریف یہ ہے کہ جو بات معصیت ہو وہ مرض ہے اور جو معصیت نہیں وہ مرض نہیں اب مثلاً حب دنیا کو جو مرض کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حب دنیا کی ہر قسم مرض ہے بلکہ حب دنیا کی جو قسم معصیت میں داخل ہے مثلاً روپے، پیسے کی اتنی محبت ہونا کہ اسکے پیچھے حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رہے یہ معصیت ہے اور حب دنیا کی یہی قسم مرض باطن ہے۔ اسی طرح حرص ہے کہ اس کو جو مرض قرار دیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ حرص کے تمام اقسام مرض باطن میں داخل ہیں۔ بلکہ جو قسم معصیت ہے مثلاً کسی منکر اور منہی عنہ چیز کی حرص ہو یہ مرض ہے اور کسی حلال چیز کی حرص ہو تو گو وہ لغتہً حرص ہوگی مگر حرص کی اس قسم کو امراض باطنہ میں داخل نہیں کریں گے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم نے ارشاد فرمایا کہ اب اگر کہا جاوے کہ مثلاً حرص کے گو تمام اقسام معصیت نہیں لیکن اگر کسی شخص میں حرص کی عادت ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اُس شخص کا حرص کی اس قسم پر عمل ہو جائے گا جو قسم معصیت ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے اندر مطلق حرص ہو تو اس کو بھی معصیت کہنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایسے اندیشہ کی وجہ سے اسکو معصیت نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسا اندیشہ تو ہر وقت اور ہر شخص کو ہے اور ہونا چاہیئے کیونکہ اندیشہ کا نہ رہنا تو بیفکری مفضی الی الکفر ہے۔ چنانچہ ایک بار مجھ پر خوف کا بیحد غلبہ ہوا تو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر ارشاد فرمایئے کہ اطمینان حاصل ہو تو فرمایا کہ کیا کفر کی تمنا کرتے ہو۔

انتخاب از ارواح ثلثہ

حکایت (۱) خاں صاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرمارہے تھے اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ اُن کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اُنھوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں۔ اُٹھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم دیجئے مولانا اس پر بھی نہ اُٹھے۔ اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا۔ اور اُنھوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہٰذا میں نہیں اُٹھ سکتا۔ اس جواب کو سُن کر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے اس لئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہ گیا۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں۔ اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں شاہ عالم کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا۔ اس میں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اُس کے اطراف اور قطب صاحب اور اُس کے اطراف تک محدود تھے۔ لیکن اکبر شاہ کے وقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں۔ جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں۔ تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور ان سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمے نہیں ہے اکبر بادشاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ ان کو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی اُن کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اکبر شاہ نے تعجب سے کہا۔ کہ یہ کیسے مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ تبرکات آپ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی اُن کی زیارت کے لئے نہیں تشریف لے گئے۔ یہ سُن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا۔ اس کے بعد مولٰنا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور آپ نے اُن کو ہاتھ میں لے کر واپس کردیا اور اس کے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اوّل تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن اگر اُن کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب

بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں۔ جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں علیٰ ہٰذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس لئے اس کا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے اور کلام اللہ و کلام رسول کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا و کلام رسول تمھارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے اُن کی کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم اُن کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے۔ بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولانا شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولانا تقریر فرمارہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں میں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اُس کے پاس ایک شاہزادہ بیٹھا ہوا تھا جس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی مجھے اس شاہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب یاد نہیں رہا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ شاہزادہ تو چکنا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیز کا وعظ سُنا مگر ابتک ڈاڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں رہا اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہزادے نے ڈاڑھی رکھوالی اور بادشاہ نے کڑے اُتار دئے۔

(یہ بھی بڑی اہلیت ہے ان سلاطین کی۔ نیز اثر ہے حضرت مولانا کے خلوص وللہیت کا بھی)

حکایت (۲) خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب و مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سُنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور اُن کے ساتھی ننگی تلواریں لیکر خانہ کعبہ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کے ساتھ عورتیں داخل ہوں گی تو ہم تلوار سے سر اُڑادیں گے اس پر بہت شور وشغب ہوا مگر مولانا اور اُن کے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ بند کراکر چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سُنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سُنا ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ ملاجیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے اُس وقت بھی مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاجیون نے اُس کو روکا تھا۔ مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہوگیا جس کو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

(۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اس لئے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے بلکہ الگ ٹھہرا کرتے تھے۔

اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے۔ جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔ مولوی وجیہہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا۔ رنگت کالی تھی۔ ابتدا میں یہ مولوی اسمعیل صاحب کے مخالف تھے اور انھوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا تھا اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے رائیں تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے مولوی وجیہہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں ایک جلی ایک خفی مولوی وجیہہ الدین صاحب اس کو تسلیم نہ کرتے تھے اس پر ان سے اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے اس پر مولوی وجیہہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انھوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے یہ مولوی وجیہہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج کیلئے آٹا پیا کرتے تھے۔ آٹا پیتے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے کبھی آٹا ان کے منہ پر ملدیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے۔ میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ اس لئے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزآنہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا اتفاق سے ہوا ناموافق ہوگئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اس لئے جہاز والوں نے اعلان کردیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہوگیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اس لئے ہم پانی نہیں دے سکتے سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ اب ان لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہٰذا اس کو روکنا چاہیئے اور دعائیں کرنی چاہئیں اس کی اطلاع مولوی وجیہہ الدین صاحب اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہہ الدین معہ چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمت و شان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے

کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیئے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی چاہو اور ان سے دعا کی درخواست کرو چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کرونگا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر نہیں چپکتی اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مسقطی حلوا کھلاؤں گا۔ اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ ملکر دعا کی جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبا و چوڑائی میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا نمودار ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لئے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا اور اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کیلئے دعا کی درخواست کی پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ ملکر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

(۳۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اوّل عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحئی صاحب شاہ عبدالحق صاحب مولانا محمد یعقوب صاحب مولوی فریدالدین صاحب مرادآبادی۔ مومن خاں۔ عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب بھی تھے اور ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھدیا گیا ہے ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے اس لئے میں اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لئے میں نے یہ کتاب لکھدی ہے گو اس سے شورش ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیئے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شایع ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہوگئی اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحئی صاحب مساجد میں چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاںجی محمدی صاحب وغیرہ سے سُنا ہے۔

(۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب اُلدہن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے انھوں نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا وعظ کے بعد ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تقویۃ الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویۃ الایمان شایع ہو کر الدہن میں آئی ہے تو لوگوں میں اس کا چرچا ہوا۔ کچھ لوگ مخالف ہو گئے اور کچھ موافق اور آپس میں سخت مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں۔ اس وقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے انھوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایک مرتبہ فرمایا کہ لڑکو میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لئے ہوئے بحث مباحثہ کرتے ہو ہمیں تو بتلاؤ کیا بات ہے ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شایع ہوئی ہے اس پر یہ بحث مباحثے ہوتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ۔ ہم نے تقویۃ الایمان اول سے لیکر آخر تک سنائی اس کو سُن کر آپنے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کرلو اس وقت میں اپنی رائے ظاہر کرونگا۔ ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اب تک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی باتیں بالکل میرے جی کو نہ لگتی تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اس وقت گمراہی میں مبتلا ہے اور میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا مگر کنوئیں میں بھانگ پڑی ہوئی تھی۔ نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔ مولوی اسمٰعیل کا احسان ہے کہ انھوں نے پانی اور بھانگ کو الگ کر دیا اور سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اب تمھیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پیئے جاؤ۔

(۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود پھلتی بیان فرماتے تھے کہ مولوی اسمعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمن صاحب کے ساتھ ہوئی تھی مولوی عبدالرحمن صاحب کا انتقال ہوگیا ایک مرتبہ مولوی اسمعیل صاحب شہید قصبہ پھلت میں منبر پر کھڑے ہوکر نکاح ثانی کی ترغیب دلا رہے تھے پھلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو۔ پھر پوچھنا اور یہ فرماکر وعظ بند کردیا اور منبر پر سے اتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہوگئے اور دہلی پہنچکر بہن کے پاس پہنچے ان کی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں آپنے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈال دیا اور فرمایا بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا۔ انھوں نے کہا کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ تم نکاح کرلو۔ انھوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں ملنتے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اس پر وہ رضامند ہوگئیں اور ان کا نکاح مولوی عبدالحیٔ صاحب سے کردیا گیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونے کے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو ان سے صحبت کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اس وقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاح ثانی تھا۔

حاشیہ حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ (خالص دین یہ ہے جوان زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظ نفسانی کے محض احیاء سنت کے لئے نکاح کیا)

(۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تمہیر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہو۔ انھوں نے کہا۔ میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر انکا نکاح کروادیا اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں۔

حاشیہ حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ (اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے۔ نفع کا مدار

مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گا ہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ۔

(۴) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتدا میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنکوا بھی اڑاتے تھے۔ شطرنج بھی کھیلتے تھے۔ مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے۔ حضور۔ اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔

حاشیہ حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ (یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا)

(۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ گئے جب یہ دونوں میلے میں پہنچے سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لئے پڑھا تھا۔ کیا سواد کفار بڑھانے کے لئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفار کے میلے کی رونق بڑھائے کس قدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا ایک خاص اثر ہوا اور انھوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں۔ واقعی میری غلطی ہے۔ اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔

حاشیہ حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ (شاگرد کی نصیحت کو پھر تیز لہجہ میں قبول کر لینا اور عمل کرنا کس قدر مجاہدہ عظیمہ ہے۔)

(۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر بادشاہ شاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے۔ یہ اکبر بادشاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اس لئے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں اور اس کے لئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شاہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز

کیا۔ جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے ان کی بھی دعوت کی گئی اور جو شہزادے وغیرہ ان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے۔ فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے۔ فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اس پر اوران کو موقع ملا اور انھوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھیے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا۔ اس پر وہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے ہیں اس وقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے۔ ان کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کیگئی ہے آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اخاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے۔ اماں سلام[ؐ] جب انھوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انھوں نے بڑوں کے قاعدہ سے ان کے سلام کا جواب دیا اور اِدھر اُدھر کی دوچار باتیں کر کے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا۔ بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں۔ اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں مولانا نے فرمایا جی جاں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ من احدث فی دیننا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کریگی تو حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لونگی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے۔ ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حاشیہ حضرت حکیم الامتہ علیہ الرحمہ۔ (اس[ؐ] پر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے۔ قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اس میں بھی ہو سکتی ہے۔ باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی ہے کہ بے ادب اور متشدد ہیں۔)

(۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور ان کے کاتب تھے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے۔ اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہوسکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کرو۔ اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہوجاؤنگا اور وہ غالب آگیا تو اس کے ساتھ ہوجاؤنگا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کرسکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپکی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھادینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں۔ کیا فائدہ ہے خوامخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ اس وقت بھی میرے دلمیں یہی خیال آیا کہ گو انھوں نے اس وقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خوامخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کریگا عوام میں ضرور شورش ہوگی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا اس کو سُن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا۔ مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔ کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حاشیہ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ (اس وقت بے ساختہ زبان پر آتا ہے وفوق کل ذی علم علیم)

احوالُ الصّالحینْ

قوّتِ ایمانی

ایک خرقہ پوش بزرگ ایک ظالم وسفاک گورنر کے سامنے

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک بڑے جلیل القدر تابعی ہیں سن چھیالیس ہجری میں آپ کی پیدائش ہے حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص فیض یافتہ ہیں۔

آپ عبدالملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی گورنری کے زمانہ میں باغی قرار پاکر حجاج کے سامنے لائے گئے اس وقت آپ کا مکالمہ جو حجاج کے ساتھ ہوا ہے ہم اس کو ناظرین کے لئے پیش کرتے ہیں جس سے علمائے سلف کی قوت ایمانی اور توکل علی اللہ کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہو سکے گا کہ وہ لوگ حق کے مقابلہ میں اپنی جان ومال کو کہاں تک عزیز رکھتے تھے۔

یہ گرفتاران بلا چند روز کا سفر طے کر کے عراق پہنچے تو حجاج کا ان کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہونا چاہئے تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ نوبت بہ نوبت یہ لوگ اس کے سامنے پیش ہوتے تھے اور حجاج ان کے حق میں احکام جاری کرتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ حضرت سعید کی باری بھی آگئی۔

حجاج ! (حضرت سعید سے مخاطب ہوکر) تمہارا کیا نام ہے؟

حضرت سعید ! سعید بن جبیر۔

حجاج ! بلکہ تو شقی[1] بن کُسیر ہے

سعید بن جبیر ! میری والدہ بہ نسبت [illegible] میرے نام سے زیادہ واقف تھی۔

حجاج ! تیری والدہ بھی شقی [illegible] اور تو بھی۔

حضرت سعید ! غیب کی باتوں (سعادت و [illegible]ادت) کا جاننے والا تو کوئی اور ہی ہے۔

---

[1] سعید کے معنی لغت میں خوش نصیب کے ہیں حجاج نے اظہار غیظ کیلئے اسکو بدلکر شقی یعنی بدبخت کہا اور (جبیر) کے معنی بھی بڑائی پر دلالت کرتے ہیں اسلئے اسکو بدلکر کُسیر کہا جو حقارت پر دال ہیں۔ ۱۲ مترجم

حجاج! بخدا میں تیری سارے عیش کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دونگا۔
حضرت سعید! اگر میں یہ جانتا کہ نفع وضرر یا راحت وآرام تیرے قبضہ میں ہے تو میں تجھے خدا سمجھتا اور سجدہ کیا کرتا۔
حجاج! اچھا یہ تبلاؤ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تمھارا کیا عقیدہ ہے۔
حضرت سعید! آپ نبی رحمت اور امام ہدایت ہیں۔
حجاج! اچھا یہ کہو کہ حضرت علیؓ کے بارہ میں تم کیا عقیدہ رکھتے ہو۔ وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔
سعید بن جبیر! اگر میں جنت و دوزخ کی سیر کرتا تو مجھے معلوم ہوتا کہ کون دوزخ میں ہے اور کون جنت میں۔
حجاج! اچھا تبلاؤ کہ خلفاء کے بارہ میں تمھارا کیا عقیدہ ہے؟
حضرت سعید! مجھے اللہ تعالیٰ نے ان پر موکل بنا کر نہیں بھیجا کہ میں ان کے احوال کی تفتیش کروں۔
حجاج! یہ کہو کہ خدا کے نزدیک کون زیادہ بہتر ہے۔
حضرت سعید! اس کا علم اس کو ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو یکساں جانتا ہے۔
حجاج! (حضرت سعید کی صفائی اور حاضر جوابی سے متاثر ہو کر نرم لہجہ میں) میں چاہتا ہوں کہ تم کسی بات میں تو میری تصدیق کرو۔
حضرت سعید! اگر مجھے تمھاری محبت نہ ہوتی تو میں تمھاری تکذیب نہ کرتا۔
مترجم! اس سے حضرت سعید کی مراد یہ ہے کہ میری تردید و تکذیب اور یہ ساری مخالفت محض تمھاری محبت پر مبنی ہے۔ کیونکہ میرا مقصود اس تمام دردسری سے تم کو عذاب الٰہی سے بچانا ہے اس لئے یہ مخالفت حقیقت میں بہترین مخالفت ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مسلمان بھائی کی مدد اس وقت بھی کرو جبکہ وہ مظلوم ہو اور اس وقت بھی جبکہ وہ ظالم ہو۔
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد تو یہ ہے کہ اس کو ظلم سے نجات دلائیں۔ یہ فرمایئے کہ ظالم کی امداد کیسے کریں۔ ارشاد فرمایا کہ ظالم کی امداد یہی ہے کہ اس کو ظلم سے روکو۔ بیشک بتلائے عاصی کی حقیقت محبت یہی ہے کہ اس کو معاصی سے روکا جائے ؎

محبتی فیک تابیٰ عن مسامحتی | بان اراک علی شیئ من الذلل
(تمھاری محبت اس بات چشم پوشی کرنے سے منع کرتی ہے | کہ میں تمھیں کس خطا پر دیکھوں

ؔ۵ غالباً ان سوالات کی غرض اس وقت یہ تھی کہ سعید بن جبیر اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں کوئی بات خلاف شرع کہدینگے۔ اور ان کے قتل کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ ۱۲ منہ

حجاج ! تمھیں کیا ہوا کہ تم کسی بات پر ہنستے نہیں۔
سعید بن جبیر! وہ شخص کیسے ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ آگ مٹی کو کھا سکتی ہے۔
حجاج ! پھر ہم کیونکر ہنستے ہیں۔
حضرت سعید! سب قلوب برابر نہیں ہوتے (کوئی غافل ہوتا ہے کوئی بیدار)
حجاج پر اس وقت نہ معلوم کونسا افسوں پڑھ دیا گیا ہے کہ حضرت سعید اسکی ہر بات کو کاٹتے ہیں اور وہ نرم ہوتا جاتا ہے اور اس بے باکانہ مکالمہ پر بجائے گردن مارنے کے اپنے خدام کو حکم دیتا ہے کہ قیمتی موتی اور یاقوت و زبرجد حضرت سعید کے سامنے پیش کریں۔
حضرت سعید! یہ مال تونے اگر اس لئے جمع کیا ہے کہ اہوالِ قیامت اور عذاب آخرت سے تیرے لئے ڈھال بنجائے۔ تو بہتر ہے ورنہ یاد رکھو کہ قیامت کا ایک زلزلہ ماں کو اپنے شیر خوار بچہ سے غافل کردے گا۔ اور سمجھ لو کہ حلال طیب کے سوا دنیا کے کسی مال میں خیر نہیں۔
حجاج یہ سُن کر بے پروائی سے راگ باجے میں مشغول ہوگیا۔
حضرت سعید! باجے کی آواز سنکر زار زار رونے لگے۔
حجاج ! ہیں! اے سعید یہ کیا حرکت ہے۔ اسباب تفریح کو رونے سے کیا نسبت۔
حضرت سعید! باجے کی آواز نے مجھے صور قیامت کی یاد تازہ کردی اور اس کے ساتھ یہ بھی سوہانِ روح بن آیا ہے کہ تمھارے یہ سارے آلات لہو و لعب کبھی تمھارے لئے وبال جان ہیں۔
حجاج ! (غصہ سے) سعید تم پر ہلاکت! یہ کیا بے باکی ہے۔
سعیدؒ ! جسکو اللہ نے دوزخ سے چھڑایا اور جنت میں داخل کیا ہو اسکی ہلاکت کیا؟
حجاج ! پھر غصہ میں بھڑک اٹھا اور کہنے لگا کہ سعید معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہو اس لئے اب تم ہی خود پسند کرلو کہ تمھیں کس طرح قتل کیا جائے۔
حضرت سعید! جس طرح تم اپنا قتل پسند کرتے ہو اسی طرح مجھے کردو۔ کیونکہ قیامت میں خدائے تعالیٰ تمھیں اسی طرح قتل کریگا جس طرح تم مجھے قتل کروگے۔
حجاج! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمھاری جاں بخشی کردیں۔

ف۱ اس مضمون پر بعض اکابر نے شعر کہا ہے۔ وکیف تنام العین وھی قریرۃ ؛ ولم تدر فی ای المحلین تنزل (ترجمہ) وہ آنکھ ٹھنڈی ہوکر کیسے سوسکتی ہے جس کو یہ معلوم نہیں کہ جنت دوزخ میں سے اس کا ٹھکانا کس جگہ ہے۔ ۱۲

سعیدؒ! یہ تیرے اختیار میں نہیں اگر جاں بخشی ہوگی تو خدائے علیم وقدیر کی طرف سے ہوگی. مگر تیری جاں بخشی کی کوئی صورت نہیں اور نہ تیرا کوئی عذر مسموع ہے۔

حجاج! سپاہیوں کی طرف مخاطب ہوکر! اسکو لیجا کر قتل کردو۔

حضرت سعید! (نہایت مسرت سے ہنستے ہوئے کھڑے ہوکر) بہت اچھا۔

سپاہی! حضور یہ گستاخ مجرم آپ کے حکم پر ہنستا ہے۔

حجاج! حضرت سعید کو واپس بلا کر "تم کس بات پر ہنستے ہو؟"

حضرت سعید! مجھے اسپر ہنسی آئی کہ تو اللہ پر کتنی جرأت کرتا ہے اور وہ کتنی بردباری۔

حجاج! اچھا اس کو ہمارے سامنے قتل کرو۔

حضرت سعید! نہایت اطمینان سے (گویا سونے کے لئے بستر پر لیٹتے ہیں) رو بہ قبلہ لیٹ کر انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین[۱]۔

حجاج! حضرت سعید کو رو بقبلہ ہونے پر خوش دیکھ کر! اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو۔

حضرت سعید! ان باتوں سے کب متاثر ہونے والے تھے جس کروٹ لٹایا لیٹ گئے اور یہ ورد زبان ہے اینما تولوا فثم وجہ اللہ (تم جس طرف منہ پھیرو اللہ اس طرف ہے)

حجاج! (سعیدؒ کو اسپر بھی مسرور دیکھ کر) اس کو اوندھا کردو۔

حضرت سعید! جن کا رخ صرف ایک خدائے بے نیاز کی طرف ہے جو حدود مکان اور جہات سے اعلیٰ اور برتر ہے اس پر بھی اسی خوشی کے ساتھ راضی ہیں اور یہ آیت وردِ زباں ہے[۲] منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃً اُخریٰ

حجاج اس خدا کے سچے ولی کی کرامت دیکھ رہا ہے مگر شقاوت اپنے خیال سے پھرنے کی اجازت نہیں دیتی اور اسی حالت میں ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت سعید! اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ پڑھ کر "اے حجاج لے میرا یہ آخری کلمہ محفوظ رکھ یہانتک کہ ہم قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہوں" آخر میں سعید شہیدؒ یہ دعا کرتے ہیں اللھم لا تسلط علی احد یقتلہ بعدی[۳]

حجاج! اس گستاخ کو زیادہ بولنے کی فرصت نہ دو۔

---

[۱] اسکا ترجمہ یہ ہے میں سارے مذاہب باطلہ سے الگ ہوکر اپنا رخ صرف اس ذات قدوس کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اور میں مشرکین میں داخل نہیں ۱۲ [۲] ہم نے تمھیں زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی مٹی سے دوبارہ بروز حشر نکالیں گے۔ ۱۲

[۳] اے اللہ میرے بعد اس کو کسی شخص کے قتل پر مسلط نہ فرمائیے۔ ۱۲

جلاد۔ بے رحم بڑھا۔ اور اس مقدس سر کو بدن سے جدا کر دیا جس کا زمانہ محتاج تھا۔

سعید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بدن سے خلاف عادت خون کا فوارہ شدت سے جاری ہے۔

حجاج کو اس وقت یہ حیرت ہے کہ اس کا دست بیداد کسی غریب کے خون پر صرف آج ہی نہیں اٹھتا بلکہ یہ اسکے ہاتھ کی طبعی حرکت ہے۔ مگر آج سے پہلے کسی شہید جفا کے مذبوح گلے کو اتنا خون دیتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

اطبا کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا۔ سب نے کہا کہ حضور موت کے خوف سے اور مقتولین کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا تھا اور سعید بن جبیر کے نزدیک موت کوئی خوف کی چیز ہی نہیں تھی۔ بلکہ ان کے لئے خدا کے راستہ میں جان دے دینا ہی انتہائی مقصد تھا۔

بہر حال آج ۹۵ھ ہجری ماہ شعبان ہے جسمیں دنیا حضرت سعید کی مقدس ہستی سے مایوس ہو چکی ہے۔

آپ شہر واسط کے قبا میں دفن کر دیئے گئے۔ اور یہی موت ان کے لئے حیات جاوید ہوگئی ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

حضرت حسن بصریؒ نے جب آپکی وفات کی خبر سنی تو فرمایا کہ بخدا اگر تمام روئے زمین کے آدمی سعید بن جبیر کے قتل میں شریک ہوتے تو بیشک اللہ تعالیٰ سب کو سر کے بل جہنم میں ڈال دیتا۔

ادھر حجاج نے جو کچھ کیا کر گذرا۔ مگر اب یہ خون شہید رنگ لاتا ہے اور حجاج کی زندگی اس کے لئے وبال ہو جاتی ہے۔

سعید شہید کو قتل کرنے کے بعد ہی ایک سخت مرض میں مبتلا ہوتا ہے جسکی بے چینی سے نہ دن کو آرام ہے نہ رات کو نیند۔ اور اگر کسی وقت ذرا آنکھ لگتی ہے تو خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت سعید اس کا دامن پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں "او خدا کے دشمن تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے" حجاج یہ دیکھتے ہی چونک کر اٹھ جاتا ہے۔ اور بار بار کہتا ہے :-

مالی ولسعید ابن جبیر (مجھے سعید بن جبیر سے کیا کام تھا)

بالآخر اسی اضطراب اور بے چینی میں رہ کر سعید بن جبیرؒ سے ایک ماہ بعد حجاج بھی رخصت ہوتا ہے شعبان میں حضرت سعید کی شہادت ہوئی اور رمضان میں حجاج کو دنیا سے منہ چھپانا پڑا۔

سعید شہید کی دعا قبول ہوئی۔ کہ خداوند تعالیٰ نے ان کے بعد اسکو کسی کے قتل کی مہلت نہیں دی۔

دنیا حجاج کے مظالم سے پاک ہوئی۔ جو لوگ ہر وقت کے ناگہانی مظالم کا نشانہ رہتے تھے آج وہ بھی مطمئن ہو گئے۔

لوگ حجاج کو گوشۂ قبر کے سپرد کر کے فارغ ہوئے۔ ظالم کے ظلم اور مظلوموں کی تکلیفوں کا خاتمہ ہوا

اور مٹی میں مل کر دونوں یکساں ہو گئے ؎

خاک ہو جاتے ہیں دونوں خاک میں ملنے کے ساتھ چارون کوئی گدا ہے کوئی کیکاؤس ہے

اب وہ ہے اور خدائے علیم و قدیر۔ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ؎

نہیں معلوم کیا زیر زمیں گذرے ترے اوپر نہ جس کا دیکھنے والا نہ کوئی جس کا پرساں ہے

ہاں یہ ضرور بیان کیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد بعض لوگوں نے حجاج کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خداوند عالم نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا کہ جتنے آدمیوں کو میں نے بگیناہ قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر ایک کے بدلہ میں ایک ایک مرتبہ قتل کیا اور سعید بن جبیر کے بدلہ میں ستر مرتبہ قتل کیا ہے۔ واللہ اعلم بحال عبادہ۔

(از السعیدین الشہیدین)

قابل تقلید نکاح

یوں تو علمائے سلف کی تاریخ میں تلاش و جستجو سے صدہا واقعات ایسے مل سکتے ہیں جو ہمارے لئے قابل تقلید اور سادگی عمل کا بہترین نمونہ ہیں بلکہ صرف نکاح ہی سے متعلق سادگی کے نمونے اگر جمع کئے جائیں تو ان سے ہی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے دوسرے بزرگوں کے واقعات کو چھوڑ کر خود ہمارے آقا سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادی خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کی تفصیل سے جس قسم کی سادگی کا پتہ چلتا ہے وہ خود ایک مستقل اور بے نظیر اسوۂ حسنہ اور ہمارے لئے درس عبرت ہے۔

اس وقت ہم ناظرین الاحسان کی خدمت میں جو واقعہ نکاح پیش کرنا چاہتے ہیں وہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاجزادی کا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جلیل المرتبہ تابعی ہیں مدینہ طیبہ آپ کا وطن ہے۔ پندرہ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی ہے۔ اکابر صحابہ (جیسے حضرت ابوہریرہ حضرت سعد حضرت زید بن ثابت حضرت عثمان غنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین) آپ کے استاد ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاجزادی سے آپ کا نکاح کر دیا تھا۔

آپ کے مناقب نہایت کثرت کے ساتھ آپکے تذکروں میں موجود ہیں۔ منجملہ ان کے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر سعید بن مسیب کو دیکھتے تو (ان کے اخلاق و اعمال کی وجہ سے) آپ خوش ہوتے"

حضرت سعیدؒ کی ایک صاحبزادی تھیں جو اگرچہ صنف کے اعتبار سے عورتوں میں داخل تھیں لیکن فہم و فراست اور تجربہ کاری میں ہزاروں مردوں سے بہتر تھیں اور علمی اور عملی کمالات کا مجسمہ تھیں۔

جس پر تقویٰ و دیانت کے سدابہار زیور نے چار چاند لگا رکھے تھے ؎

وان تکن خُلِقَتْ انثی لقد خُلِقَت کریمۃ غیر انثی الخلق والحسب

ظاہری حسن و جمال بھی خداوند تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا تھا کہ اپنی نظیر آپ تھیں۔ خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کو اتفاق سے یہ حالات معلوم ہو گئے تو اس نے نہایت اشتیاق کے ساتھ اپنے بیٹے ولید کے لئے ان سے نکاح کرنے کی کوشش کی۔

حضرت سعید ایک گوشہ نشین عالم۔ امراء و سلاطین سے طبعاً علیحدہ رہنے والے اس صورت کو کب پسند فرمانے والے تھے۔ فوراً قطعی انکار کر دیا۔ اس روز سے عبدالملک کو حضرت سعید سے ایک خلش تھی۔ اور ہمیشہ بہانہ ڈھونڈتا تھا کہ کسی طرح ان کو تکلیف پہونچانے کی صورت نکلے چنانچہ ایک مرتبہ سخت سردی کے دنوں میں آپ کے سر پر پانی چھڑوا دیا اور پھر زدوکوب کے ذریعہ سے دل کی بھڑاس نکالی۔ مگر وہ کوہ استقامت تھے جس کو یہ مصائب کی آندھیاں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی تھیں۔ اب یہی حسن و جمال اور ہر قسم کے کمالات کا مجسمہ ہے جس کا شاہی خاندان میں نکاح پسند نہیں کیا جاتا۔ ان کے نکاح و شادی کا حال سنیئے۔

ابو وداعہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سعید ابن مسیبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اسی اثناء میں میری زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ اس مشغولی میں چند روز تک میں آپکی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب میں حاضر ہوا تو آپ نے شفقت سے دریافت فرمایا کہ تم عرصے سے کہاں تھے میں نے واقعہ عرض کر دیا کہ زوجہ کے انتقال کی وجہ سے بعض مشاغل میں مبتلا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہمیں انکے انتقال کی خبر کیوں نہ دی کہ ہم بھی نماز جنازہ وغیرہ میں شریک ہوتے۔ میں نے کچھ دیر تک بیٹھنے کے بعد جب واپس ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کوئی جدید نکاح کر لیا یا نہیں۔ میں نے ہنس کر عرض کیا کہ خدا تعالیٰ آپ پر رحم کرے میں تو ایک فقیر مفلس آدمی ہوں۔ دو تین درہم سے زیادہ میری ملک میں نہیں مجھے کون اپنی بیٹی دینے لگا ہے اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم ایسا کریں تو کیا تم قبول کر لو گے۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔

آپ نے اسی مجلس میں خطبہ نکاح پڑھا اور حمد صلوٰۃ کے بعد میرا نکاح اپنی صاحبزادی سے پڑھ دیا۔

میں اس نعمت غیر مترقبہ سے بیحد مسرور ہو کر آپکی مجلس سے اٹھا۔ غایت مسرت سے میں متحیر سا ہو رہا تھا کہ اب کہاں جاؤں۔ اور کیا کروں۔ بالآخر اپنے گھر پہونچا اور یہ فکر کرنے لگا کہ اس وقت کس سے قرض لوں۔

اسی فکر میں مغرب کا وقت ہوگیا میں نے نماز مغرب ادا کی اور چونکہ اس روز میرا روزہ تھا اسلئے کھانے میں جلدی کی. کھانے کیلئے بیٹھا تھا کہ کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی۔

مینے اندر ہی سے کہا کون ہے؟ دستک دینے والے نے اپنا نام سعید تبلایا مینے غور کیا کہ یہ سعید کون شخص ہے جو اسوقت آیا ہے۔

شہر میں جتنے آدمی میرے جاننے والوں میں سعید نام رکھتے تھے سب کا خیال ہوا مگر سعید ابن مسیبؒ کی طرف دھیان بھی نہ گیا. کیونکہ چالیس سال سے یہ کوہ استقامت ومتانت اپنے گھر اور مسجد کے درمیانی مسافت کے سوا کہیں نہیں دیکھے گئے۔

میں فوراً کھڑا ہوگیا اور دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سعید ابن مسیبؒ تشریف فرما ہیں. مینے یہ خیال کرکے شاید آپکو کسی کام کی ضرورت پیش آئی ہے عرض کیا کہ آپ نے کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا کہ میں خود حاضر خدمت ہوجاتا۔

آپ نے فرمایا، نہیں تم اس کے زیادہ مستحق ہو کہ ہم خود تمھارے پاس آئیں۔

میں نے عرض کیا کہ اب جو ارشاد ہو اس کی تعمیل کروں۔

آپنے فرمایا کہ مجھے کوئی کام نہیں. بات یہ ہے کہ مینے یہ خیال کیا کہ تمھاری زوجہ کے انتقال کو عرصہ ہوچکا ہے اور اب تمھارا نکاح بھی ہوگیا تو مجھے پسند نہ آیا کہ تم تنہا رات گذارو۔ اسلئے میں تمھاری زوجہ کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں اور وہ یہ حاضر ہے۔

میں نے دیکھا وہ ٹھیک آپ کے پیچھے اس طرح چھپی ہوئی تھیں کہ آپکی اطلاع سے پہلے میری نظر ان کا احساس نہ کرسکی۔ اسکے بعد حضرت سعیدؒ نے ان کو میرے مکان کے اندر داخل کرکے دروازہ بند کردیا۔ اور خود تشریف لے گئے۔

ادھر صاحبزادی غایت حیا کی وجہ سے گر پڑیں. کچھ دیر کے بعد اٹھیں تو مینے دروازہ کو اچھی طرح بند کیا اور اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اپنے پڑوسیوں کو آواز دی۔ پڑوسی جمع ہوگئے اور بلانے کی وجہ پوچھی. مینے سارا واقعہ ان سے بیان کردیا جبتک خبر میری والدہ کو پہونچی تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم سے سخت ناراض ہونگی اگر تم نے ابھی ان کو ہاتھ لگایا. بلکہ تین روز تک میں ان کے لباس وغیرہ کی درستی کرونگی اس کے بعد تمھیں اختیار ہوگا۔

مینے تین روز تک انتظار کیا۔ اسکے بعد ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ ظاہری اور باطنی حسن سے آراستہ ہیں۔

ایک طرف اگر ان کو دست قدرت نے وہ حسن وجمال عطا فرمایا تھا کہ جس کی اسوقت نظیر نہ تھی تو دوسری جانب علوم الٰہیہ کے ان گرانقدر جواہر سے بھی مالا مال فرمایا تھا کہ جسکی نظیریں اس صنف نازک میں گنی چنی ملتی ہیں. قرآن مجید کی حافظ ہونے کے ساتھ علم حدیث کی ماہر اور حقوق زوج کو خوب پہچاننے والی تھیں. غرض خدائے عزوجل کی یہ نعمت غیر مترقبہ تھی جو اس نے چھپر پھاڑ کر میرے گھر میں ڈالدی تھی۔

(السعیدین الشہیدین)

احوال الصالحین

حاتم اصمؒ کی طالب علمی ۳۳ برس میں آٹھ مسائل حاصل کئے

ایک دن شقیق بلخی نے اپنے شاگرد حاتم اصم سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو کہا ۳۳ برس سے۔ پوچھا تم نے اس مدت میں مجھ سے کیا سیکھا کہا آٹھ مسئلے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون میری اوقات تمہارے اوپر ضایع گئے کہ تم نے فقط آٹھ مسئلے سیکھے۔ کہا اے استاد میں نے زیادہ نہیں سیکھے۔ اور میں جھوٹ بولنے کو ناپسند کرتا ہوں کہا اچھا بتاؤ وہ کون سے آٹھ مسئلے ہیں کہ میں بھی سنوں۔ حاتم نے کہا اول مسئلہ یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے جو قبر تک اُس کے ساتھ رہتا ہے جب وہ قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے اپنا محبوب حسنات کو ٹھہرا لیا کہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ ہو۔ شقیق نے کہا کہ تم نے بہت اچھا سیکھا اب باقی سات مسئلے کہو کہا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اس آیت میں "واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هى الماوىٰ" تامل کیا اور سمجھا کہ اللہ کا فرمانا درست ہے اس لئے اپنے نفس پر خواہش دور کرنے کی محنت ڈالی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر جم گیا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس دنیا کو دیکھا تو یہ پایا کہ جس کسی کے پاس کوئی شے قدر و قیمت کی ہے وہ اس کو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر جو دیکھا تو اللہ نے فرمایا ہے۔

ما عندكم ينفد وما عند الله باق (تمہارے پاس جو چیز ہے وہ سب ختم ہو جائیگی اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ قائم و باقی رہیگی)

پس جو چیز قدر و قیمت کی میرے ہاتھ لگی وہ میں نے حق تعالیٰ کی طرف پھیر دی تاکہ اس کے پاس موجود ہے

چوتھا مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو جو دیکھا تو ہر ایک کا میل خاطر طرف مال و حسب و نسب و شرافت کے پایا اور ان چیزوں میں جو غور کیا تو سب ہیچ و پوچ معلوم ہوئیں پھر اللہ کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے۔

(ان اكرمكم عند الله اتقاكم (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ متقی ہو)

اس لئے میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ نزدیک اللہ کے کریم و شریف ہو جاؤں۔

پانچواں مسئلہ،۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں اور وجہ اسکی حسد ہے۔

ماخلا جسدٌ عن حسد (یعنی کوئی شخص حسد سے خالی نہیں۔)

پھر اللہ کے کلام میں تامل کیا تو یہ پایا

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاۃ الدنیا (ہم نے تقسیم کیاہے لوگوں میں اون کی ضروریات معاش کو۔)

اس لئے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ کے یہاں سے ہے اسلئے خلق کی عداوت چھوڑ دی

چھٹا مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکسی وکشت وخون کرتے ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا تو اس نے یہ فرمایا ہے۔

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعو حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر (شیطان تمہارا دشمن ہے اسکو دشمن سمجھو وہ اپنی پارٹی کو اس کی طرف بلاتا ہے کہ وہ دوزخی ہو جاویں۔)

اس بنیاد پر میں نے اسی اکیلے شیطان کو اپنا دشمن ٹھیرالیا کہ اس سے بچتا رہوں۔ باقی ساری مخلوق کی عداوت چھوڑ دی :

ساتواں مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک شخص ایک پارۂ نان کا طالب اور اسکی طلب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے کاموں میں گھستا ہے جو اس کو جائز نہیں ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور کیا تو اس نے فرمایا ہے۔

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔)

میں نے سمجھا کہ میں بھی اللہ کے ان دواب میں ہوں جن کا رزق اس کے اوپر ہے اس لئے طلب رزق چھوڑ کر ادائے حقوق خدا میں مشغول ہوا۔

آٹھواں مسئلہ :۔ یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا کوئی زمین پر بھروسا رکھتا ہے کوئی تجارت پر کوئی کسی حرفہ پر۔ کوئی بدن کی تندرستی پر اللہ کو دیکھا کہ اس نے فرمایا ہے

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ (جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے)

اس لئے میں نے اکیلے اللہ پر بھروسا کیا کہ وہی مجھے کافی ہے۔

شفیق نے فرمایا اے حاتم اللہ تجھ کو توفیق دے میں نے جو علوم قرآن وتوریت وانجیل وزبور پر نظر کی تو اُن سب کی اصل انہیں مسائل ہشتگانہ کو پایا وہ سب علوم ان میں آجاتے ہیں۔

درحقیقت یہی وہ علم تھا جو انبیاء علیہ السلام کی وارثت اور دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔ اب ہم نے جن رسوم کا نام علوم رکھ لیا ہے وہ تو "علم را بر تن زنی مارے بود" کا مصداق ہے حضرت مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جان جملہ علمہا این ست واین کہ بدانی من کیم در یوم دین

خط وکتابت کی سنت

کے متعلق

ایک خط اور اس کا جواب

از حضرت مجدد الملتہ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرّہٗ

مضمون خط بحضرت سیدی وسندی کہفی ومعتمدی وسیلۃ یومی وغدی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہٖ بالخیر۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ بعد تمنائے قدمبوسی عرض ہے کہ ناکارہ غلام مدت سے مجموعہ امراض بنا ہوا ہے۔ حاضری کا قصد مدت سے کر رہا ہے۔ مگر یہی امراض مانع ہو جاتے ہیں۔ کوئی دعا وغیرہ ارشاد ہو تو احقر پڑھ لیا کرے۔

جواب الحمد شریف بعد نماز فجر ۲۱ بار یا گیارہ بار پانی پر دم کر کے دن بھر تھوڑا تھوڑا پیا کیجئے۔

مضمون احقر کی عادت خط لکھنے میں عام طور پر یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھ کر نیچے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ طریق سنت یہی ہے مگر بڑوں کو اور بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے۔ آج بیساختہ اسی طرح لکھا گیا خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا پھر یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت والا سے دریافت ہی کر لوں کہ یہ طبیعت کا رکنا محض رسم و رواج کی بنا پر ہے اور غیر محمود ہے یا منشا ادب ہونے کی وجہ سے محمود ہے۔ امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرما دینگے۔

جواب ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر یعنی للادب اور سنّت محمود بالذات ہے اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی محمود بالغیر پر یہ تو اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اپنا نام اخیر میں لکھنے میں بعض اوقات کسی عارض سے ذہول بھی ہو جاتا ہے وقد وقع غیر مرۃٍ اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاوے۔ اگر خط بھی نہ پہچانتا ہو یا پہچانتا ہو مگر کسی عذر سے کاتب نے کسی دوسرے

سے لکھوایا ہو۔ تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہے گا اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہو سکتی ہے پھر اخیر میں نام دیکھ کر تبدیل خیال کی کلفت ہوگی بہرحال شرعاً و عقلاً و طبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بہ خیال ادب بچے تو اس کو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے سنت عبادت نہیں جس پر بالذات وعدہ اجر اور ترک میں کراہتہ ہو۔ واللہ عالم

ضمیمہ تحریر خط کے بعد عبارات ذیل دیکھی گئیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان کو بھی لکھدیا جاوے۔
کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المنذر بن ساوی بالبحر بعد ما اسلم بما نصہ علی ما فی نصب الرایہ للزیلعی ص۳۸ ج ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی احمد اللہ الیک الحدیث۔ وقال العینی فی شرح کتابہ علیہ السلام الی ھرقل وقال الشیخ قطب الدین و فیہ ان السنۃ فی المکاتبات ان یبتداء بنفسہ فیقول من فلان الی فلان و ھو قول الاکثرین وکذا فی العنوان ایضا یکتب کذلک و احتجوا بھذا الحدیث و بما اخرجہ ابوداؤد عن العلاء بن الحضرمی وکان عامل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی البحرین وکان اذا کتب الیہ بدأ بنفسہ وفی لفظ بدأ باسمہ وقال حماد بن زید کان الناس یکتبون من فلان بن فلان الی فلان بن فلان **اما بعد** قال بعضھم ھو اجماع الصحابۃ۔ وقال ابوجعفر النحاس وھذا ھو الصحیح و قال غیرہ وکرہ جماعۃ من السلف خلافہ وھو ان یکتب اولا باسم المکتوب الیہ ورخص فیہ بعضھم وقال یبدأ باسم المکتوب الیہ روی ان زید بن ثابت رض کتب الی معاویۃ فبدأ باسم معاویہ رض وعن محمد بن الحنفیۃ وایوب السختیانی انھما قالا لا باس بذلک وقیل یقدم الاب ولا یبدأ ولد باسمہ علی والدہ والکبیر السن کذلک۔ قلت یردہ حدیث العلاء لکتابتہ الی افضل البشر وحقہ اعظم من حق الوالد وغیرہ (عمدۃ القاری ص۱۱۶ جلد ۱)

روایات و عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ سنت خط کی یہی ہے کہ اول اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا، خواہ مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور مسلم ہو یا کافر نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کبھی اسکے خلاف بھی ہو جاوے تو قول راجح یہی ہے کہ وہ بھی مکروہ نہیں جیسا کہ اصل تحریر میں لکھا گیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(اشرف علی عفا عنہ ۱۵ ذیقعدہ ۵۵ھ)
(مرقومہ ثمرات الاوراق)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ

کا مکتوب گرامی

رفع سبابہ کی تحقیق اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کے اختلاف کا جواب

یہ مکتوب حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کا ہے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کے کتب خانہ سے نقل فرما کر جناب مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے شایع کیا تھا۔ مکتوب فارسی میں تھا احقر نے اسے سالکین کے لئے اردو میں منتقل کردیا ہے۔

(احقر رومی غفرلہٗ مرتب)

مکتوب

(مکتوب)

نوشتہ بودند کہ "حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ درمکتوبے از مکتوبات منع رفع سبابہ کردہ اند وتو باوجود دعوے محبت بجناب ایشاں رفع سبابہ میکنی ومحب را اتباع محبوب لازم است"

مخدوما سبحانہ جل شانہ اتباع کتاب وسنت برعباد فرض گردانیدہ میفرماید ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ورسول علیہ السلام میفرماید لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ وحضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کہ نائب کامل آں حضرت اند بنائے طریقۂ خود بہ اتباع کتاب وسنت گذاشتہ اند وعلما بر اثبات

(ترجمہ)

آپ نے لکھا تھا کہ "حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی مکتوب میں رفع سبابہ (تشہد میں انگلی اٹھانے) سے منع فرمایا ہے اور تم حضرت مجدد صاحب سے محبت کا دعوی رکھتے ہوئے بھی رفع سبابہ کرتے ہو حالانکہ محب کو محبوب کا اتباع لازم ہے"۔

میرے مخدوم اللہ تعالی نے کتاب و سنت کا اتباع اپنے بندوں پر فرض فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں تو انکو ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا تاوقتیکہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو" اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ

رفع سبابہ رسالہ ہا مشتمل بر احادیث صحیحہ و روایات فقہ
حنفیہ تصنیف کردہ اند تا بجائے کہ حضرت شاہ......
یحیی رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نیز در این باب
رسالہ تحریر نمودہ اند و در نفی رفع یک حدیث بہ ثبوت
نرسیدہ و ترک رفع از جناب حضرت مجدد بنا بر اجتہاد
واقع شدہ سنت محفوظ از نسخ بر اجتہاد مقدم ست
و بعد ثبوت سنت رفع ترک آں بایں حجت کہ حضرت
مجدد ترک فرمودہ اند معقول نیست و حضرت مجدد بر ترک
سنت تحذیر کثیر فرمودہ اند و حضرت مجدد ہم مذہب
حنفی داشتند و حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
گفتہ اذا ثبت الحدیث فہو مذہبی و اترکو
قولی لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پس امید آنست کہ حضرت مجدد از ترک ایں امر
اجتہادی و اخذ باحادیث صحیحہ متغیر نہ شوند و اگر گویند
کہ حضرت مجدد باآں علم واسع از احادیث ثبوت رفع
چگونہ آگاہ نبودند گویم تا زمان مبارک حضرت
ایشاں ایں کتب و رسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ
بود و از نظر مبارک ایشاں نگذشتہ کہ ترک نمودہ
اند و گرنہ ہرگز ترک رفع نمے فرمودند کہ ایشاں حریص
ترین اکابر ایں امت بر اتباع سنت بودہ اند و اگر
گویند عدم رضائے حضرت رسالت علیہ التحیۃ بایں عمل
از کشف دریافتہ ترک فرمودہ باشند......
گویم کہ کشف در امور طریقہ معتبر است و در احکام شریعت
حجت نیست معہذا در آں مکتوب احتجاج بکشف
نکردہ اند و امید آنست کہ ایں مخالفت جزئی
برعایت قاعدۂ کلی ایشاں کہ بجد تمام ترغیب
بر اتباع پیغمبر علیہ السلام فرمودہ اند تمر نتائج
گردد۔ والسلام۔

~~~~~~

نے جو آنحضرت (صلعم) کے پورے (متبع اور) نائب ہیں اپنے
طریق کی بنیاد کتاب و سنت کی پیروی ہی پر رکھی ہے اور علما
نے کلمہ کی انگلی اٹھانے کو ثابت کرنے کے لئے صحیح حدیثیں
اور حنفی فقہ کی روائتیں درج کر کے بہتیرے رسالے تصنیف
کئے یہاں تک کہ خود حضرت مجدد صاحب کے چھوٹے صاحبزادے
حضرت شاہ یحیی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارہ میں ایک رسالہ
لکھا ہے۔ اور انگلی نہ اٹھانے کے متعلق ایک حدیث بھی حضور
سے ثابت نہیں اور حضرت مجدد صاحب کا یہ انگلی نہ اٹھانے کا
قول ان کے اجتہاد کیوجہ سے ہے۔ (لیکن) جو سنت نسخ
سے محفوظ ہو وہ مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے۔ انگلی
نہ اٹھانے کو محض اس دلیل سے سنت (سمجھنا اور) ثابت کرنا کہ
حضرت مجدد صاحب نے اسے نہیں کیا ہے کوئی عقل کی بات
نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت نے سنت کا ترک کرنے سے بہت
بچایا ہے اور حضرت مجدد بھی حنفی مذہب رکھتے تھے۔ خود حضرت
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب کوئی حدیث
ثابت ہو جاتی ہے وہی میرا مذہب ہے میرے قول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے ارشاد کے سامنے چھوڑ دیا کرو پس امید یہ ہے کہ اس اجتہادی مسئلہ کے نہ کرنے پر اور
صحیح احادیث کو اختیار (کر کے انکے مطابق عمل) پر حضرت مجدد صاحب (عالم برزخ ہیں)
ناخوش نہ ہونگے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت مجدد صاحب اسقدر علم وسیع رکھنے کے باوجود آخر
کیونکر ممکن ہے کہ انگلی اٹھانیکے ثبوت کی حدیثوں سے ناواقف رہے ہوں تو میں جواب میں
کہونگا کہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ تک اسقدر کتابیں اور رسالے اس ملک ہندمیں
مشہور نہیں ہونے پائی تھیں اور آپکی نظر مبارک سے (ثبوت کی احادیث) نہیں گزریں
اسی وجہ سے انھوں نے انگلی اٹھانا چھوڑ دیا۔ ورنہ ہرگز آپ اٹھانا نہ چھوڑتے کیونکہ اس
امت میں اتباع سنت کے شایق اور عامل اکابر بزرگوں میں سے بھی حضرت مجدد صاحب سے زیادہ
حریص تھے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ شاید انکو آنحضرت صلعم کی ناخوشی کشف کے ذریعہ معلوم ہوگئی
ہو تو میرا جواب یہ ہے کہ کشف کا صرف طریق تصوف کی باتوں میں تو اعتبار کیا جا سکتا ہے
لیکن شرعی مسائل و احکام میں کشف حجت نہیں ہو سکتا اسی کیساتھ یہ بھی ہے کہ
(آپ نے) اس خط میں کشف کو حجت بتایا بھی نہیں ہے پس امید ہے کہ (حضرت مجدد کی
یہ جزوی مخالفت انھیں کے دوسرے قاعدہ کلی کی رعایت کرنیکے باعث کہ آپنے نہایت شدت سے
مکمل طور پر اتباع سنت نبوی کی ترغیب لوگوں کو دی ہے بہت عمدہ نتائج ہی پیدا ہونگے
والسلام (ثمرات الاوراق)
~~~~~~

پیراہن یوسف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبانِ مبارک کی ہیئت

ایں زماں جاں دامنم را تافت است　　　　بوئے پیراہنِ یوسف یافت است

کرتوں کے گریبان کی دو صورتیں معروف و مشہور ہیں ایک آجکل عام طور پر مروج ہے کہ گریبان کا شق سینہ پر رہتا ہے اور دوسری صورت جو پہلے مروج تھی اور اب بھی بعض جگہ اس کا رواج ہے یہ کہ گریبان کا شق دونوں مونڈھوں پر رہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کی کیا ہیئت تھی شیخ الاسلام والسنۃ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا سوال کیا گیا تو مندرجہ ذیل تحقیق زیب قرطاس فرمائی۔

ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کی وہی ہیئت تھی جو آجکل مروج ہے یعنی یہ کہ اس کا شق سینہ پر رہے کیونکہ سنن ابوداؤد باب فی حل الازرار میں حضرت معاویہ ابن قرہ رض سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے والد قرہ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہم نے آپ سے بیعت کی آپ کے قمیص مبارک کی گھنڈیاں اس وقت کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے قمیص مبارک کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور خاتم نبوت کو ہاتھ سے چھوا۔ معاویہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے ہمیشہ معاویہ اور ان کے والد قرہ کو اسی حالت میں دیکھا کہ گریبان کے بٹن کھلے ہوئے رہتے تھے۔

ف احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گریبان کھلا رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت اور سنت تھی بلکہ ایک اتفاقی واقعہ ہے مگر عشق و محبت کے احکام نرالے ہیں حضرت قرہ نے جس ہیئت میں اول دیکھا تھا اس کا قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ اپنی یہی عادت بنالی ؎

مرا از زلف او موئی پسند است　　　　ہوس را رہ مدہ بوئی پسند است

علامہ سیوطی رح فرماتے ہیں کہ ظاہر اس حدیث سے یہی ہے کہ گریبان مبارک کا شق سینۂ مبارک پر تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں اسی حدیث سے گریبان سینہ پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے۔

نیز عام کتب فقہ میں یہ مسئلہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص صرف لانبے کرتے میں (جو ستر پوشی کیلئے کافی ہو) نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع یا سجدہ میں گریبان کے اندر سے اس کی نظر اپنے ستر پر پڑ گئی تو نماز (امام شافعی رح کے نزدیک) صحیح نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات فقہاء کے زمانہ میں رواج یہی تھا کہ گریبان کا شق سینہ پر رہے۔

اور یہ مضمون جو مسئلہ مذکورہ میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مسند احمد اور سنن اربعہ وغیرہ میں بروایت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں۔ (تہبند باندھ کر دوڑنا مشکل ہوتا ہے) کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ صرف ایک کرتا پہن لیا کروں اور اسی میں نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اس کے گریبان کو بند کر لیا کرو۔ اگرچہ ایک کانٹا ہی اس میں لگا لو۔

ف۔ عرب کے کرتے طویل نصف ساق تک ہوتے تھے اور ران میں دائیں بائیں شق (چاک) بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے تنہا کرتا پہننے میں کسی قسم کی عریانی یا ستر کھل جانے کا احتمال نہ تھا۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی وجہ سے میں یہ سمجھے ہوا تھا کہ طریق مسنون اور تعامل سلف گریبان کے بارہ میں یہی ہے جو آج کل مروج ہے پھر الحمد للہ اس کے بعد بالکل صاف تصریح اسکی صحیح بخاری میں مل گئی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل باب اس عنوان پر رکھا ہے۔ باب جیب القمیص من عند الصدر (یعنی باب اس بیان میں کہ گریبان کرتے کا سینہ پر ہوتا ہے) پھر اس باب میں وہ حدیث نقل فرمائی جس میں بخیل اور سخی کی مثال دو جبوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ تنگ جبہ کی مثال کو آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس طرح ظاہر فرمایا کہ ہاتھ گریبان کے اندر سے نکالے کہ جس طرح یہ ہاتھ اس وقت گریبان کی تنگی کی وجہ سے بندھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح بخیل کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے حافظ الدنیا علامہ ابن حجرؒ نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا ہے:

فالظاهر انه كان لابسا قميصا	پس ظاہر یہ ہے کہ آپ اس وقت کرتہ پہنے ہوئے تھے
وكان طوقه فتحه الى صدره	اور اس کے گریبان کا شق سینہ مبارک پر تھا۔

پھر فرمایا کہ ابن بطالؒ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ گریبان سلف کے کرتوں میں سینہ پر ہوتے تھے؛ اور طبرانی نے حضرت زید ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں تو آپ نے اپنے دست مبارک سے ان کو بند فرما دیا اور پھر فرمایا کہ اپنی چادر کے دونوں طرفوں کو اپنے سینہ پر جمع کر لیا کرو۔ یہ واقعہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ انکا گریبان سینہ پر تھا؛ اور ابن ابی حاتم نے آیت کریمہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن میں جیوب کی تفسیر حضرت سعید بن جبیرؒ سے یہ نقل کی ہے۔

یعنی علی النحر والصدر فلا یری منه شئی۔	(عورتوں کو حکم ہے) کہ اپنے ڈوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر رکھا کریں اور مراد گریبانوں سے سینہ ہے۔

الغرض روایات و قرائن مذکورہ الصدر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کا گریبان سینہ مبارک پر تھا اور یہی طریقہ سلف صحابہ و تابعین میں رائج تھا۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

العبد الضعیف:۔ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ۔ مدرس دار العلوم دیوبند۔ ۱۰ ر شوال ۱۳۵۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احزابِ تہذیب و تزکیہ

تمہید محققین صوفیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ طریق و سلوک و تصوف میں نفس کو بُرے اخلاق سے پاک کرنا بنیادی پتھر ہے اور یہ اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب صوفی کچھ عرصہ تک ہمت کر کے نفس کی مخالفت کرتا رہے۔ یہ مخالفتِ نفس مجاہدہ و جہادِ اکبر اور ریاضت کہلاتی ہے۔ اذکار و نوافل سے یا دعا و تلاوت سے بلکہ فرائض سے بھی نفس درست نہیں ہوتا کیونکہ ازالۂ رذائل میں ان کا درجہ اصالت کا نہیں اعانت کا ہے۔ اذکار و نوافل میں جو فوائد و ثمرات حق تعالیٰ نے رکھے ہیں وہ ذاکر و عابد کو علیحدہ ملیں گے لیکن ذاکر و عابد کا نفس بغیر مستقل مجاہدہ کے سنور جائے یہ عادۃ اللہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر عابد کو آپ نے عبادت گزار بھی اور رذائل نفس میں مبتلا بھی دیکھا ہوگا۔

یوں تو بُرے اخلاق جن سے صوفی کو بچنا چاہئے اور اچھے اخلاق جو صوفی میں رچنا چاہئے بہت ہیں لیکن حضرت شیخ العلما جنید وقت مولانا فتحپوری مدظلہ فضائل میں اخلاص۔ حُسنِ خلق۔ محبت۔ ذکر کے حصول پر اور رذائل میں غضب و نفاق اور اتباعِ ہوائے کے ترک پر اور صحبۃ الصلحاء و اطاعۃ الشیخ کے لزوم پر بہت زور دیتے اور سالکین کی تربیت میں اپنی تعلیمات کو ان سات اُمور میں مرکوز فرماتے ہیں اس لئے خدام خانقاہ نے ان عنوانات پر قشیریہ وغیرہ سے اکابر کے مختلف تعریفات و تعبیرات کو یکجا جمع کر کے ہر بیان کو ہفتہ کے ایک ایک دن کا حزب بنا دیا کہ روزانہ وظیفہ کی طرح اس کو پڑھا کریں تاکہ سب کو روزانہ غور سے پڑھتے رہنے سے ہر ایک عنوان کے حدود۔ لوازم اور صحیح مفہوم اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ رحمہم اللہ کے اسرار کے طفیل میں ہمارے گندے نفوس کو بھی رذائل سے پاک کر دیجئے۔ آمین۔

حزب اوّل روز شنبہ

اخلاص

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الا للہ الدین الخالص (خالص اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی چاہئے)۔

حدیث اوّل۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بروایت انس بن مالک ہے کہ تین چیزیں ہیں جنہیں

کسی (سچے) مسلمان کا دل تو کمی کرنا نہ چاہے گا۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ کے لئے عمل کو خالص کیا جائے۔ دوسرے حاکموں کی خیرخواہی تیسرے مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا۔

حدیث دوم۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اخلاص میرے اسرار میں سے ایک سر ہے میں اپنے بندوں میں سے جس بندے کے دل میں چاہتا ہوں اسے رکھ دیتا ہوں۔

(۱) قشیریہ صفحہ ۱۰۴ پر اقوال اکابر یہ ہیں:۔ طاعت میں صرف حق تعالیٰ کو پیش نظر رکھنے کا قصد ہو بس یہ ہے اخلاص یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے صرف اُسی کے قریب پہنچنے کی نیت ہو اور کوئی نیت نہ ہو مثلاً یہ کہ کسی مخلوق کی نیت سے کام کیا جائے (جسے ریا کہتے ہیں) یا لوگوں میں شہرت کی نیت ہو (جسے حب جاہ کہتے ہیں) یا مخلوق سے اپنی واہ واہ سُننے کی خواہش ہو (جسے عُجب کہتے ہیں) یا کوئی اور نیت ہو غرض مخلوق پر نظر رکھنے سے فعل کو پاک کیا جائے (۲) اخلاص یہ ہے کہ مخلوق پر نظر نہ ہو اور صدق یہ ہے کہ نفس پر نظر نہ ہو۔ پس مخلص اُسے کہیں گے جس میں ریا نہ ہو اور صادق اُسے کہیں گے جس میں عجب نہ ہو (۳) پورا اخلاق اُس وقت ہوگا جب صدق بھی ہو اور اُس پر دوام بھی ہو اور پورا صدق اُس وقت ہوگا جب اُس میں اخلاص ہو اور اخلاص پر دوام بھی ہو (۴) جب لوگ اپنے اخلاص کے قائل ہوں بس اُسی وقت اُن کو اپنے اخلاص کو اور بھی زیادہ خالص کرنے کی ضرورت ہے (یعنی دعوائے اخلاص علامت ہے عدم اخلاص کی) اپنے اخلاص کو اخلاص سمجھنا یہ اخلاص کی کمی کی نشانی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی اس کے اخلاص کو خالص بنانا چاہتے ہیں تو اُسے اس سے بچا لیتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاص کو اخلاص سمجھے (۵) اخلاص کی علامات تین ہیں:۔ عوام کی مدح و ذم کا اس کے نزدیک یکساں ہو جانا۔ عمل کے وقت عمل کو بھول جانا۔ آخرت کا ثواب چاہنے کو بھول جانا (۶) عوام کا اخلاص تو یہ ہے کہ اس میں اپنے نفس کے لئے کوئی لذت اور کشش (اترانا۔ اچھا بننا۔ لوگوں کو خوش رکھنا وغیرہ) نہ ہو لیکن خواص کا اخلاص یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو اپنے اوپر تو جاری سمجھیں لیکن اپنی وجہ سے نہ سمجھیں یعنی اُن سے جو طاعت ظاہر ہو رہی ہے ان کو اس سے کوئی تعلق نہ ہو ان کی اُس پر نظر نہ ہو وہ اُسے شمار میں بھی نہ لاتے ہوں (۷) عارفین (کاملین) کا ریا سے کوئی کام کرنا (مثلاً مریدوں کو دکھانے کے لئے نفل یا تسبیح پڑھنا تاکہ وہ بھی اس کی نقل کریں) مریدین کے اخلاص سے بڑھ کر ہے (۸) اخلاص یہ ہے کہ کسی کام کو اس سے بچایا جائے کہ "وہ دشمن" (شیطان) اسے بگاڑ سکے (۹) اخلاص اسے کہتے ہیں کہ خالق پر اس طرح برابر نظر رکھی جائے کہ مخلوق پر نظر کرنا بھول

جائے (۱۰) بندے کے اعمال ظاہر اور باطن ہیں (زبان سے اور دل سے یا سب کے سامنے اور تنہائی میں) یکساں ہونے لگیں تب اسے اخلاص کہتے ہیں (۱۱) جو شخص لوگوں کے سامنے ایسے اخلاق سے متصف بن کر بیٹھے جو اس میں موجود نہیں ہیں تو وہ خدا کی نظر سے گر جاتا ہے (۱۲) کوئی کام کرتے کرتے لوگوں کے خیال سے چھوڑ دینا کہ کہیں یہ ہمیں پارسا نہ سمجھنے لگیں یہ تو ہے ریا اور کسی کام کو لوگوں کے خیال سے کرنے لگنا یہ ہے شرک۔ پس اخلاص یہ ہے کہ اللہ تمہیں ان دونوں سے بچائے رکھے (۱۳) اخلاص ایک راز ہے بندہ اور خدا کے درمیان (میان عاشق و معشوق رمزیست) کہ جسے فرشتہ بھی نہیں جان سکتا کہ اسے لکھ سکے اور شیطان بھی نہیں جان سکتا کہ اسے بگاڑ سکے اور نہ نفس کی خواہش کو اس کا پتہ لگ سکتا ہے کہ اسے پھیر سکے (۱۴) اخلاص عمل یہ ہے کہ کرنے والا اس کام پر دارین میں کوئی عوض نہ چاہے (۱۵) نفس پر سب سے زیادہ گراں چیز اخلاص ہی ہے کیونکہ اس میں اس کے لئے کوئی لذت اور کشش نہیں۔ اہل لا الٰہ الا اللہ تو بہت ہیں مگر مخلص بہت کم ہیں (۱۶) جب کوئی بندہ چالیس دن تک اخلاص پر کاربند ہو جاتا ہے تو اس کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہونے لگتے ہیں (۱۷) اخلاص بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ ریا نکالنے کی جتنی کوشش کی جاتی ہے اتنی ہی وہ نت نئے رنگ میں نکلنے اور ابھرنے کی کوشش کرتی ہے (۱۸) جب بندہ اخلاص اختیار کرتا ہے تو اس سے ریا اور وسوسہ کی کثرت ختم ہو جاتی ہے۔

خلاصہ :۔ اخلاص اگرچہ عام اور مشہور لفظ ہے لیکن اس کا مفہوم سمجھنا آسان نہیں۔ اور اکابر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ اخلاص اس وقت ہوگا جب شرک نہ ہو۔ ریاء نہ ہو۔ عجب نہ ہو حبِ جاہ نہ ہو۔ حبِ دنیا نہ ہو۔ حبِ نفس نہ ہو۔

یا اللہ حضرات چشتیہ صابریہ کے مشائخ کے "سرّ اخلاص" کے طفیل میں ہم کو بھی ذرۂ اخلاص نصیب اور اس کا حصول آسان فرما دیجئے۔ آمین۔

حزب دوم یکشنبہ
حُسنُ الخُلق

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے سُئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکثر ما یدخل الناس الجنۃ الخ قال تقوی اللہ وحسن الخلق فسئل عن اکثر ما یدخل الناس النار قال الفم والفرج (یعنی حضورؐ سے پوچھا گیا کہ جنت میں لوگ زیادہ کس وصف کی وجہ سے جائینگے

فرمایا خدا کے خوف اور خوش اخلاقی سے۔ پھر پوچھا جہنم میں لوگ زیادہ کس چیز کی وجہ سے جائیں گے
فرمایا۔ منہ اور شرمگاہ کی وجہ سے قشیریہ میں صفحہ ۱۲۰ پر ہے "قرآن میں ہے" وانک لعلیٰ خلق عظیم
یعنی حضورؐ بہت ہی بڑے درجۂ خلق پر فائز ہیں کیونکہ آپ نے کونین کو بخ دیا اور اللہ تعالیٰ کے پانے پر
قناعت کرلی۔ آپ نے جب حق تعالیٰ کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کا مطالعہ کرلیا تو پھر عوام کی سختیاں اور
بدخلقیاں آپ پر اثر نہیں کرتی تھیں۔ آپ کی عالی ہمتی کے سامنے سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا۔ خلق عظیم یہ
ہے کہ نہ آپ کسی سے جھگڑے اور نہ آپ نے کسی کو اپنے سے جھگڑنے کا موقع دیا اس وجہ سے کہ آپ
کو اللہ تعالیٰ کی معرفت انتہا درجہ کی تھی۔ حضورؐ سے صحابہؓ نے کہا مشرکین پر بد دعا کیجئے تو فرمایا میں
رحمت بن کر آیا ہوں۔ عذاب بن کر نہیں۔ (۱) اچھا خلق بندے کی تمام خوبیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس
سے انسان کے جوہر کھلتے ہیں۔ انسان اپنے خُلق ہی سے گمنام بنتا ہے اور خُلق ہی سے مشہور ہوتا ہے
(۲) تصوف خوش خلقی ہی کا نام ہے جو تم سے خوش خلقی میں بڑھا ہوا ہو تو سمجھ لو کہ وہ تصوف میں
بھی تم سے بڑھا ہوا ہے (۳) اگر بندہ احسان۔ تصوف۔ نیکی کا ہر کام تو کرے لیکن اپنی مُرغی کو
ستاتا ہو تو اُسے نیکوکار اور محسن نہ کہیں گے (۴) حضرت عمرؓ جس غلام کو اچھی نماز پڑھتے دیکھتے اُسے
آزاد کر دیتے تو بقیہ غلام یہ بات دیکھ کر ریاکاری سے اچھی نمازیں پڑھنے لگے اور حضرت عمرؓ اُن کو
آزاد کرنے لگے کسی نے حضرت عمرؓ کو متنبہ کیا تو آپ نے فرمایا جو ہمیں اللہ کے کام میں دھوکا دے گا تو ہم
اُس کے دھوکے میں آجانا ہی پسند کرتے ہیں (۵) تین چیزیں اب ناپید ہو چکی ہیں۔ خندہ پیشانی سے
رہنا حفظ آبرو کئے ہوئے۔ نرم گفتگو کرنا امانت وخیر خواہی کے لحاظ کیا تھ۔ برادرانہ تعلق اور
اور اس پر نباہ (۶) خُلق یہ ہے کہ اپنی چیزوں کو تو حقیر سمجھو اور جو چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری
طرف ہوں ان کی عظمت کرو (۷) ابن عمرؓ نے لوگوں سے کہا جب میں اپنے خادم کو یہ کہہ دوں کہ خدا
تیرا ناس کرے تو تم سب گواہ رہو کہ وہ آزاد ہے۔ ایک بزرگ کے ایک خادم سے گرم دیگچی اُن کے
لڑکے پر گر پڑی جس سے بچہ مر گیا۔ خادم ڈر گیا آپ نے کہا ڈرو مت۔ جاؤ تم آزاد ہو (۸) حسن خلق
کی علامت یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا کو سہے اور ان کا تاوان برداشت کرے جسکے اخلاق بُرے ہوں گے
اُسے فکریں زیادہ ہوں گی (۹) کوئی آدمی کسی اچھی عادت کو چالیس دن برت لے تو اللہ تعالیٰ اُسے
اُس کی طبیعت میں داخل کر دے گا (۱۰) اویس قرنیؒ کو لڑکے ڈھیلے مار رہے تھے تو فرمایا بچو اگر
مجھے مارنا ضروری سمجھتے ہو تو ذرا چھوٹے پتھر مارو ورنہ میری ٹانگ اگر ٹوٹ گئی تو میں نماز نہ پڑھ سکونگا۔

بھائی اور جو کچھ دل میں ہو یہیں کہہ ڈالو ورنہ بستی آجائے گی اور وہاں اگر کسی جاہل نے سُن لیا تو ممکن ہے کہ وہ تمہیں اس کا جواب دے بیٹھے اور میں یہ چاہتا نہیں (۱۲) ایک بزرگ کے گھر میں کچھ چور گھس گئے اور سب کچھ اُٹھا لے گئے۔ دوسرے دن اُنھوں نے اپنا جُبّہ بازار میں نیلام ہوتے دیکھا تو اُدھر سے کترا کر نکل گئے (۱۳) خُلق یہ ہے کہ تم لوگوں سے قریب بھی رہو اور اُن سے اجنبی اور بے میل بھی رہو (۱۴) ایک آدمی اپنے حوض پر جانوروں کو پانی پلا رہے تھے کچھ لوگ تیزی سے ان کی طرف ہجوم کر کے آگئے حوض ٹوٹ گیا۔ اُنھیں ناگوار ہوا تو وہ فوراً بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے (کیونکہ یہی حدیث میں حکم ہے) انجیل میں ہے کہ جب تمہیں غصّہ آئے تب مجھے یاد رکھو تو میں بھی اپنے غصّہ کے وقت تمہیں یاد کروں گا۔ (۱۵) ابن دینار کو ایک عورت نے کہہ دیا اے ریاکار! تو وہ بولے اچھا! تمہیں میرا یہ نام معلوم ہوگیا۔ شہر والے تو اسے جانتے ہی نہیں (۱۶) آدمی کی بُردباری کا حال غصّہ کے وقت اور بہادری کا حال جنگ کے وقت اور برادرانہ دعویٰ کا حال حاجت اور مصیبت میں معلوم ہوتا ہے (۱۷) قرآن میں ہے واسبغ علیکم الخ یعنی اللہ نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تمام فرما دی ہیں" تو اس میں ظاہری نعمت سے مراد جسم کا پورا بنانا ہے اور باطنی نعمت سے مراد اخلاق کی صفائی ہے (۱۸) ایک بزرگ کہتے ہیں مجھے ایک گنہگار مگر خوش اخلاق شخص کا ساتھ ہونا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ عبادت گزار مگر بد اخلاق شخص کا ساتھ ہو (۱۹) حُسن اخلاق اسے کہتے ہیں کہ خود ناگوار بات برداشت کر کے اس کے عوض مدارات اور نرمی کا برتاؤ کرے (۲۰) ایک فوجی نے ابن ادہم رح کو غلطی سے تھپڑ مار دیا جب اُسے اُن کا نام معلوم ہوا تو معافی مانگنے آیا تو ابن ادہم رح نے کہا کہ تم نے جب مجھے مارا تو میں نے تمہارے لئے خدا سے جنّت کی دعا کی اُسے تعجب ہوا کہ یہ کیوں تو فرمایا میں جانتا تھا کہ مجھے اس تھپڑ پر اجر ملے گا تو مجھے گوارا نہ ہوا کہ تم سے تو مجھے خیر اور ثواب ملے اور مجھ سے تمہیں شر اور عذاب ملے (۲۱) ابو عثمان رح دوپہر میں ایک گلی سے گزر رہے تھے کسی نے چھت پر سے راکھ گلی میں گرائی جو ان پر اور ان کے ساتھیوں پر پڑی۔ ساتھیوں کو غصّہ آیا اور ڈالنے والے کو سخت سُست کہنے لگے۔ فرمایا جو شخص آگ کا مستحق ہو اس سے اگر راکھ پر صلح کر لی جائے تو اسے خفا ہونے کا حق نہیں (۲۲) ابو عثمان رح کو ایک شخص نے تین بار دعوت دیکر اپنے گھر بلایا اور تینوں بار بغیر کھانا کھلائے لوٹا دیا۔ اس کے بعد آکر کہا میں تو آپ کو آزما رہا تھا واقعی آپ بڑے بزرگ ہیں آپ عالی ظرف ہیں وغیرہ تو فرمایا ہِش یہ کیا کمال ہے یہ تو کتوں کا وصف ہے جب بلایا جائے گا آجائے گا اور جب ڈانٹا جائے گا تو چلا جائے گا یہی میں نے

کیا (۲۳) ایک بیمار بزرگ دوسرے کے گھر مہمان ہوئے میزبان نے بڑی خدمت کی مہمان نے کہا تم یہودی نہ ہوتے تو بہت اچھے آدمی ہوتے تو بولے میرا عقیدہ و مذہب آپ کی خدمت کرنے میں تو ہارج نہیں ہے اس لئے اپنی صحت کے ساتھ میری ہدایت کی بھی دعا کرتے رہیے (۲۴) ایک بزرگ کپڑے سیتے تھے ایک آتش پرست مدتوں اُن سے کپڑے سلواتا اور اُجرت میں کھوٹے سکے دے جاتا اور یہ اُسے لے لیتے۔ ایکدن دُکان میں بزرگ نہ تھے نوکر تھا کہ وہ مجوسی آیا اور سلے کپڑے لیکر کھوٹے روپے دینے چاہے نوکر نے نہ لئے تو وہ اچھے سکے دیکر کپڑا لے گیا۔ بزرگ آئے تو پوچھا مجوسی کا کپڑا کہاں گیا نوکر نے سارا قصہ کہا تو بولے تونے بہت بُرا کیا وہ تو مدت سے مجھے کھوٹے سکے دے جاتا تھا اور میں لے کر کنوئیں میں پھینک دیتا تھا کہ کسی دوسرے کو نہ مونڈنے پائے (۲۵) بدمزاجی سے بدمزاج کا دل چھوٹا ہونے لگتا ہے کیونکہ اس میں سوا اپنی غرض کے کسی اور شے کی سمائی نہیں رہ جاتی۔ بدمزاجی یہ ہے کہ دوسرے کی بدمزاجی محسوس ہو (۲۶) خوش مزاجی یہ بھی ہے کہ صف میں تمہاری بغل میں جو بھی آکھڑا ہو تم اس کا بُرا نہ مانو۔

خلاصہ:۔ حُسن خلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا کے جواب میں دعا یا حُسن[۱] سلوک سے پیش آئے۔ دوسرے کی بدخلقی[۲] پر نظر نہ کرے۔ خودغرضی[۳] نہ کرے۔ کبر[۴] و غضب سے اپنے کو بچائے۔
یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ کے حسن خلق کے طفیل ہم کو بھی حسن خلق نصیب فرما ۔ آمین

ذکر و ازالۂ غفلت

قرآن میں ہے "اذکروا اللہ ذکراً کثیراً" (اللہ کی یاد بہت زیادہ کرو) حدیث اول:۔ حضورؐ نے فرمایا۔ آؤ میں تمھیں تمام اعمال سے بہتر عمل بتاؤں جو خدا کے نزدیک نہایت پاکیزہ اور تمھارے درجات میں نہایت بلند چیز ہے اور سونا چاندی کے ملنے سے اور دشمنوں کو قتل کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ ہے اللہ کا ذکر" حدیث دوم: حق تعالیٰ حضرتؐ سے فرماتے ہیں کہ میں نے تمھاری امت کو وہ انعام دیا جو کسی امت کو نہیں دیا اور وہ ہے "فاذکرونی اذکرکم" پس ذکر کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کا عوض اور اجر بھی ذکر ہے (۱) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سب سے بڑا رکن جس کے بغیر کوئی خدا تک پہنچ ہی نہیں سکتا دوام ذکر ہے۔ زبان ہی کے ذکر سے بندہ کو ذکر قلب اور اس پر دوام بھی نصیب ہوتا ہے اور تاثیر جو کچھ ہے ذکر قلبی ہی میں ہے (۲) جس کا دل اور زبان ذاکر جائے وہ سلوک میں ذکر میں کامل ہے۔ ذکر گویا ولایت کا فرمان شاہی ہے جسے ذکر کی توفیق ہوگئی اُسے گویا شاہی سند اور فرمان ولایت کامل گیا اور جسے اس کی توفیق نہ ملی وہ گویا ولایت سے معزول کر دیا گیا [کیونکہ حدیث میں من عادیٰ لی ولیّا سے ولایت ثابت کرکے پھر تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل کا بیان ہے جو ذکر کے مراتب میں سے ہے۔ سراج]

(۳) شبلیؒ ابتدائے سلوک میں ایک سرنگ میں اُتر جاتے اور ہری شاخوں کا ایک مٹھا ساتھ رکھتے۔ جب ان کا قلب غافل ہوتا تو ایک شاخ اُٹھا کر اپنے کو اتنا مارتے کہ قمچی ٹوٹ جاتی۔ اس طرح دن بھر میں کل قمچیاں توڑ ڈالتے (۴) قلب سے اللہ کا ذکر کرنا تلوار ہے تلوار۔ اسی سے دشمنوں سے مقابلہ کرتے اور بلاؤں کو ٹالتے ہیں کیونکہ بلا جب کسی پر آتی ہے اور وہ دل سے ذکر خدا کی طرف بھاگتا ہے تو اُسی وقت کل ناگوار باتیں اُس سے کترا کر نکل جاتی ہیں (۵) غفلت کے میدان سے مشاہدہ حق کی فضا میں پہنچنا خوف اور شدتِ محبت ہی کی مدد سے ہوتا ہے (۶) جو شخص خدا کی سچی یاد کرتا ہے کہ اُس کی یاد میں سب کچھ بھول بیٹھا تو اللہ اس کے لئے سب چیز کی حفاظت کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر چیز کا عوض اور بدل بن جائیگا۔ (۷) ابو عثمانؒ سے کہا گیا کہ ہم لوگ ذکر تو کرتے ہیں مگر دل میں حلاوت نہیں پاتے فرمایا خدا کا شکر کرو کہ اُس نے تمھارے ایک عضو (دل یا زبان) کو اپنی طاعت سے زینت تو دے رکھی ہے (۸) شبلیؒ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ انا جلیسُ من ذکرنی جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کا ہم نشین بن جاتا ہوں تو لو گو بتاؤ تم نے حق سبحانہ کی ہم نشینی سے کیا کیا فائدے حاصل کئے (۹) بندہ کو ذکر کا حکم ہے۔ نماز جو ذکر بلکہ اشرف العبادات ہے اس کے وقت مقرر ہیں اسے ہر وقت پڑھ نہیں سکتے اس لئے ذکر قلبی کی خاص فضیلت یہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہر حال میں جاری رہ سکتا ہے (۱۰) ایک بزرگ کا قول ہے کہ ذکر مجھ پر فرض ہوتا تو خدا کے عز و جلال کا حق یہ تھا کہ میں اس کا ذکر نہ کر سکتا کیونکہ مجھ جیسا گندہ بندہ بھلا ذکر کرے اس کے لئے تو پہلے مجھے ہزار بار توبہ کر کے اپنے مُنہ کو دھونا چاہیئے (۱۱) اس قول مشہور کا کہ "حق تعالیٰ عبد مومن کے قلب میں رہتے ہیں" مطلب یہ ہے کہ عبد مومن کے دل میں حق تعالیٰ کا ذکر رہتا ہے ورنہ حق تعالیٰ سکون یا حلول سے پاک و منزہ ہیں (۱۲) ذکر اُسے کہتے ہیں کہ ذکر کرنے والا یہ بھول جائے کہ میں ذکر کر رہا ہوں (۱۳) حق تعالیٰ ہر روز یہ ندا فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے تو نے میرے ساتھ انصاف نہ کیا میں تجھے یاد کرتا ہوں اور تو مجھے بھلاتا ہے۔ میں تجھے بلاتا ہوں اور تو دوسروں کے پاس جاتا ہے۔ میں تجھ سے بلا ہٹاتا ہوں اور تو خطا پر جما بیٹھا ہے۔ اچھا جب کل تو میرے پاس آئیگا تو کیا جواب دیگا (۱۴) حلاوت تین چیزوں میں تلاش کرو۔ نماز میں۔ ذکر میں۔ اور قرآن کی تلاوت میں۔ پس اگر حلاوت ملتی ہے تب تو کیا کہنا ہے اور اگر نہیں ملتی تو سمجھ لو کہ دروازہ اُدھر سے بند ہے (۱۵) جس نے غفلت سے گھبرانے کا مزہ نہیں چکھا وہ ذکر سے انس کا مزہ نہیں پا سکتا (۱۶) ایک آسمانی کتاب میں یہ مضمون ہے کہ جب بندہ پر میری یاد غالب آجاتی ہے تو وہ میرا عاشق بن جاتا ہے اور میں اسکا (۱۷) ہر چیز کی سزا جداگانہ ہوتی ہے۔ عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ ذکر سے روک دیا جائے (۱۸) ایک تارک دنیا سے پوچھا گیا کہ آپ روزہ سے ہیں فرمایا ہاں خدا کی یاد میں روزہ دار ہوں یعنی جب دوسری چیز کو یاد کروں گا تو روزہ ختم ہو جائیگا (۱۹) جب ذکر کسی کے قلب میں جم جاتا ہے

آیت قرآنی فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ (عنقریب اللہ ایسی جماعت لائیگا جو اللہ کی محبوب بھی ہوگی اور محب بھی) حدیث قدسی لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ الخ بندہ تعمیل فرائض سے قرب حاصل کر چکنے کے بعد جب نوافل سے مزید قرب حق لینا چاہتا ہے (جو بندہ کی محبت حق کی علامت ہے) تو حق تعالیٰ بھی اُس سے محبت فرمانے لگتے ہیں۔ حدیث دوم۔ جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ سے فرماتا ہے اے جبریل میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اُس سے محبت کرو تو جبریلؑ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں پھر جبریلؑ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں تم بھی محبت کرو تو آسمان والے بھی محبت کرنے لگتے ہیں اس کے بعد اُس کے لئے زمین میں بھی مقبولیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ کسی بندے کو ثواب اور انعام دیں رحمت کہلاتا ہے (یہ چیز سب کیلئے عام ہے) اور یہ ارادہ کہ اُس کو اپنے قرب اور احوال رفیعہ سے نوازیں محبت کہلاتا ہے۔ (یہ چیز سالکین اور محبین کے لئے خاص ہے) (۲) محبت کے آثار یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتؔ پہچانے۔ اللہ کی خوشنودی کو اختیار کرے۔

کرتے تھے ایک دن ان کے سر پر درخت کا تنہ آگرا۔ سر پھٹ گیا خون بہنے لگا تو ہر دھار سے زمین پر اللہ اللہ آپ سے آپ لکھ جاتا تھا۔

خلاصہ:- ذکر کا ثمرہ خود ذکر کی توفیق ملتے رہنا اور خدا کا بندہ کو یاد کرنا ہے۔ ذکر سے غفلت دور ہوتی ہے۔ مبتدی کو زبان سے اسم ذات رٹنا ذکر ہے۔ متوسط کو قلب سے اسم ذات کا تصوّر ذکر ہے اور منتہی کا دوام ذکر احکام شرعیہ کے اتباع کا طبیعت بنجانا ہے۔ یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ کے ذکر کے طفیل میں ہم کو بھی ذکر دوام نصیب فرما۔ آمین

محبّت

اُس کے پاس اگر شیطان آنا چاہتا ہے تو پٹخنی کھاتا ہے تو دوسرے شیاطین کہتے ہیں اسے کیا ہو گیا تو کوئی کہتا ہے اسے انسان لگ گیا ہے (جیسے انسان کو شیطان لگتا ہے) (۲۰) اپنے رب کو بھولنے سے بڑھ کر برا کوئی اور گناہ نہیں (۲۱) ذکر خفی کو فرشتہ بھی خدا کے دربار میں نہیں لے جاتا کیونکہ اُسے خبر ہی نہیں ہوتی وہ تو بندہ اور رب کے درمیان ایک راز ہے (۲۲) ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ کی تعریف سُنی جو جنگل میں رہتے تھے یہ اُن سے ملنے گئے وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڑے درندہ نے آکر انکے ایک طمانچہ مارا اور گوشت نوچ لیا اس پر جنگل کے بزرگ زخم سے اور زائر ہول سے بیہوش ہو گئے جب انھیں ہوش آیا تو زائر نے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے کہا حق تعالیٰ نے یہ جانور مجھ پر مسلط کر دیا ہے جہاں میں ذکر سے ذرا غافل ہوا اُسی وقت یہ اسی طرح مجھے نوچتا ہے (۲۳) ایک ذاکر اللہ اللہ کا ذکر کثرت سے

اللہ (کی یاد[۴] یا خوشنودی) نہ ہو تو اُسے چین نہ آئے۔ اُسی کی طرف اُسے شوق کا ہیجان ہو۔ اُس کی یاد[۵] دل سے کرنے میں اُسے سکون ولذت ہو (غرض محبت ایک وجدانی کیفیت ہے جسے بندہ محسوس کرلیتا ہے بیان نہیں کرسکتا) (۳) محبت کا مفہوم یہ ہے مَیلِ دائم بہ قلب ہائم۔ یعنی دیوانہ دل کے ساتھ لگاتار میلان۔ تمام ساتھیوں پر محبوب کو ترجیح حضور و غیبت میں محبوب کی موافقت۔ عاشق کا اپنے صفات کو مٹاکر محبوب کی ذات کو باقی رکھنا مسلسل خدمت کرنے پر بھی احترام کے ترک کا اندیشہ لگا رہنا۔ طاعت کو سینہ سے لگائے رکھنا مگر مخالفت سے دور رہنا (۴) محبت یہ ہے کہ اپنی زیادہ چیز کو بھی کم جانے اور دوست کی کم چیز کو بھی زیادہ جانے۔ محب کی صفات کی جگہ محبوب کی صفات آجائیں اپنی صفات سے یکسر غفلت ہوجائے۔ (۵) محبت یہ ہے کہ اپنا سب کچھ محبوب کو دیدو کہ تمھارے پاس کچھ نہ رہ جائے۔ محبت یہ ہے کہ تم کو محبوب کے بارے میں اِس کی غیرت آئے کہ تم جیسا اُس کو چاہے۔ (۶) محبت وہ جو جفا اور سختی سے کم نہ ہو۔ جو محبت کا دعویٰ کرے اور اُس کے حدود کی حفاظت نہ کرسکے وہ سچّا نہیں۔ جب محبت پکّی ہوتی ہے تو ادب کی شرطیں ختم ہوجاتی ہیں۔ (۷) محبت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حصّہ لینا اپنی حاجتیں پیش کرنا بھول جائے۔ (۸) حقیقت محبت یہ ہے کہ اپنے اوصاف و اخلاق (اور پسند) نکال کر پھینکو اور محبوب کے موافق ہوجاؤ۔ (۹) محبت یہ ہے کہ لگاؤ زیادہ سے زیادہ مگر حاصل کچھ نہ ہو (۱۰) اِس حدیث کا کہ کسی چیز کی محبت تمھیں اندھا بہرا بنا دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے تو غیر کے باعث اندھا بنے اور محبوب کی طرف سے خوف و ہیبت کے باعث اندھا بنے (۱۱) محبت یہ ہے کہ تم کو ایک چیز کی طرف سے اِس طرح میلان ہو کہ تم اُسے اپنی جان و دل اور مال پر ترجیح دینے لگو۔ تم کھُل کر اور چھپ کر اُس سے موافقت کرو مگر پھر بھی تم اُس کی محبت میں اپنی کوتاہی مانتے رہو۔ (۱۲) محبت ایک آگ ہے جو دل میں لگی ہو اور محبوب کے سوا سب کو جلادے اور ایک فتنہ اور شورش ہے جو دل میں محبوب کے لئے پیدا ہو (۱۳) محبت یہ ہے کہ محب تو اپنا سب کچھ خرچ کردے پھر محبوب کی مرضی پر رہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ (۱۴) سمنونؒ[۶] مسجد میں بیٹھ کر محبت پر تقریر کر رہے تھے کہ مسجد کی ساری قندیلیں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں پھر ایک چھوٹی چڑیا آئی اور سمنون کے قریب آتے آتے اُن کے ہاتھ پر آبیٹھی۔ پھر زمین کو چونچ سے کریدنے لگی اور مرگئی۔ (۲۰) شبلی ایک بار قید ہوگئے تو بہت سے لوگ آپ سے ملنے آئے۔ پوچھا تم سب کون ہو۔ کہا آپ سے محبت رکھنے والے ہیں تو اُنھوں نے پتھر اُٹھا اُٹھا کر مارنا شروع کیا تو سب بھاگ نکلے تو فرمایا اگر دعویٰ محبت میں سچّے ہو تو میری اِس ایذا پر صبر بھی

کرو۔ محب ایذا پر صبر بھی کرتا ہے۔ (۲۱) حضرت عیسیٰؑ کی حدیث قدسی میں مروی ہے کہ جب میں کسی بندے کے دل میں دنیا و آخرت کی محبت نہیں پاتا تب کہیں جا کر میں اُسے اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔ (۲۲) محبت یہ ہے کہ باوجود پوری مستعدی اور کوشش کے اپنی کوتاہی پر خدا کے سامنے عذر کرتا ہے۔ (۲۳) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے رائی برابر محبت مل جائے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بمقابلہ اِس کے کہ ستر برس تک بلا محبت کے عبادت کروں۔ (۲۴) گناہ گار بدکار کے لئے جب وہ عبادت میں لگ جائے تو خوف اور حزن کا غلبہ ہی بہتر ہے۔ ہاں جو شخص میل کچیل سے صاف ہو گیا ہو اُس کے لئے محبت زیادہ ہے۔ جس میں محبت ہو اور خوف نہ ہو وہ دھوکے میں ہے۔ (۲۶) محبت کہتے ہیں محبوب کو اپنے اوپر ترجیح دینے کو۔ زلیخا کو دیکھو کہ یوسف کے بارے میں عزیز سے یہ کہا تھا کہ تمہاری بیوی کے ساتھ کوئی بری نیت رکھے تو اُس کی کیا سزا ہے بجز جیل کے لیکن وہی انتہائے محبت میں یہ بھی کہتی ہے۔ ہاں میں نے اُس کے ساتھ بُری نیت کی تھی۔ وہ سچے ہیں اُن کا قصور نہ تھا (۲۶) ابو سعید خرازؒ خواب میں جمالِ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنی محبت سے معذور سمجھئے کیونکہ حق تعالیٰ کی محبت نے آپ کی محبت سے مجھے روک لیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت بھی کرتا ہے۔ (۲۷) رابعہ نے دعا میں کہا اے اللہ کیا آپ ایسے قلب کو دوزخ میں جلائیں گے جسے آپ سے محبت ہے تو اُن کو ایک فرشتہ نے آواز دی کہ ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔ ہمارے ساتھ بدگمانی نہ کیا کرو۔ (۲۸) محبت میں دراصل موافقت اور مناسبت اور خاص کر دلی موافقت کا نام ہے۔ محبت میں جدائی اور اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ (۲۹) حالات میں فساد زیادہ تر تین باتوں سے ہوتا ہے۔ عارفوں[۱] کا گناہ اس طرح کہ اپنی آنکھوں اور زبان اور کان کو دنیوی نفع کی طرف چھوڑ دیں اور اہلِ محبت[۲] کا محبت میں خیانت اور کمی اِس طرح کہ اپنی خواہش پر تو عمل کریں خدا کی رضا پر نہیں اور مریدوں[۳] کا جھوٹ بولنا اِس طرح کہ وہ خدا کے دیدار میں اور یاد میں کم بیٹھیں اور مخلوق کی دید میں زیادہ۔ انتہیٰ۔

خلاصہ:- اپنی طاعت اور خدمت پر نظر نہ رہے۔ قضا و قدر کے معاملات سے رنجیدہ نہ ہو۔ اپنی رضا کو تج دے۔ مرضیاتِ حق کی فکر میں رہے۔

یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ کی "محبت" کے طفیل میں ہمارے دلوں کو بھی اپنی محبت سے بھر دیجئے۔ آمین۔

حزب پنجم (روز چہار شنبہ) مخالفت نفس

قرآن - آیت ونہی النفس عن الھویٰ یعنی جو اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا ہے گا۔

حدیث - اَعْدیٰ عَدُوِّکَ الّتِی بَیْنَ جَنْبَیْکَ - یعنی میرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے یعنی نفس - تشریح میں اکابر کے اقوال یہ ہیں (۱) دنیا سے آخرت کو جانا تو آسان ہے اور مخلوق کو خدا کے لئے چھوڑ دینا ذرا مشکل اور سخت ہے لیکن نفس کی خواہشوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ طرف جانا بہت ہی مشکل ہے۔ (۲) جس کے خیالات اُبھرنے اور پیدا ہونے لگیں تو سمجھ لو کہ اُس سے خدا کے اُنس کی علامتیں ختم ہو گئیں (اللہ تعالیٰ اس سے سب کو محفوظ رکھے)۔ (۳) نفس کی مخالفت تمام عبادات سے بڑھ کر ہے۔ بعض مشائخ سے اسلام کی تعریف پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ مخالفت کی تلواروں سے نفس کو ذبح کرتے رہنا اسلام ہے۔ نفس اور ہوا کی مخالفت یہ ہے کہ اِن دونوں کی رغبت کی چیزوں کو چھوڑتے رہنا۔ (۴) نفس کی تو جبلت اور فطرت ہے بے ادب ہونا اور حد سے نکلنا۔ لیکن بندہ کو ادب سے رہنے اور حدود کا لحاظ رکھنے کا حکم ہے۔ اب نفس تو مخالفتِ حکم کے میدان میں سرپٹ دوڑتا ہے اور بندہ کوشش کر کے اُسے بُرے مطالبات اور اغراض سے لوٹاتا رہتا ہے۔ اِس میں جو بندہ نفس کی لگام ڈھیلی کرے گا تو وہ بھی نفس کے فساد میں اس کا شریک سمجھا جائے گا۔ (۵) نفس جو برائیوں کا حکم دینے میں بہت تیز ہے وہ ہلاکت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ دشمنوں کا ساتھی ہے خواہشات کا پیرو ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں بدنام رہتا ہے۔ (۶) جو شخص برابر اپنے نفس سے بدگمان نہ رہے گا اور ہر حال میں اُس کی مخالفت نہ کریگا اور ہمیشہ نفس کو اُس کے ناگوار جانب نہ کھینچتا رہے گا تو وہ سخت دھوکے میں ہے۔ جو نفس کی کسی چیز کو بھی پسند کی نظر سے دیکھے گا وہ نفس کو ہلاک ہی کر کے چھوڑے گا۔ ایک عاقل نفس سے راضی اور مطمئن کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ حضرت یوسفؑ جو خود بھی نبی تھے اور جن کی تین پشتیں نبی تھیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے نفس کو پاک اور بری نہیں جانتا۔ نفس کا کام ہی ہے کہ ہر وقت برائیوں کا حکم دیتا رہے۔ (۷) جب نفس خود اپنی رغبتوں کے خلاف کرے گا تو یہی رغبتیں جو پہلے اُس کا مرض تھیں اب اُس کے حق میں دوا بن جائیں گی۔ نفس سے نکل جانا بڑی بھاری بات ہے۔ کیونکہ تمھارے اور حق تعالیٰ کے درمیان یہی سب سے بڑا حائل اور بڑی رکاوٹ ہے۔ (۸) حق تعالیٰ کے غصّہ سے بہت زیادہ

قریب یہ بات ہے کہ نفس کو اور اُس کے حالات کو دیکھ کر انسان خوش رہے اور نفس کے افعال پر غرض تراشنا اور تاویل کرنا اُس سے بھی بڑھ کر بُرا ہے (۹) جو شخص کسی خواہش اور رعب کے ترک میں سچا ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کی تکلیف سے اُسے بچالیں گے۔ جس قلب نے اللہ کے لئے کوئی خواہش ترک کر دی ہو اللہ سے بعید ہے کہ وہ اس پر عذاب دے۔ (۱۰) ایک بزرگ کو لوگوں نے ہوا میں بیٹھے دیکھا۔ پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کس بات سے پایا تو بولے میں نے "ہوائے نفس" کی پیروی چھوڑ دی تو یہ ہوا میری فرمانبردار بنا دی گئی۔ (۱۱) سچا مسلمان وہ ہے کہ اگر اُس کے سامنے ہزار خواہشیں آجائیں تو وہ خدا کے خوف سے سب کو دل سے نکال دے اور بدکار کے سامنے اگر ایک خواہش ہی آجائے گی تو وہ ایک ہی خواہش اُسے خوفِ خدا سے نکال باہر کر دے گی۔ (۱۲) ہوا اور شہوت کے ہاتھ میں اپنی لگام نہ دے دو ورنہ یہ تمھیں ظلمت (کفر) میں کھینچ لے جائیں گی۔ اِن شہوتوں کو یا تو چونکا دینے والا خوف مٹا سکتا ہے یا شوقِ محرک۔ (۱۳) حدیث میں ہے تین خصلتیں کُل گناہوں کی جڑ ہیں ان سے بچتے رہو۔ دیکھو کبر سے بہت بچنا کیونکہ آدم کو شجر کے کھانے پر حرص ہی نے اُبھارا تھا (توضیح از شیخ مدظلہٗ، اگرچہ شہوت دو ہیں۔ فم اور فرج مگر فرج کی شہوت فم کی شہوت پورا کرنے کے بعد اُبھرتی ہے اس لئے شہوتِ فم زیادہ سخت اور اصل ہے) اور دیکھو حسد اور ڈاہ سے بہت بچو کیونکہ آدم کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو حسد اور ڈاہ ہی کے باعث قتل کیا۔ پس کبر سے کفر کا گناہ حرص سے فم اور فرج کے گناہ اور حسد سے قتل کا گناہ پیدا ہوا۔ (۱۴) حاسد کی پہچان یہ ہے کہ جب تک سامنے رہے تو خوشامد میں لگا رہے اور جب غیر موجود ہو تو غیبت کرے اور دوسرے پر مصیبت پڑے تو خوش ہو۔ (۱۵) جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے توپ میں اپنی نیکیاں رکھ کر پورب، پچھم، اتر دکھن پھینکتا رہتا ہے۔ پس غیبت کے بعد جب وہ مجلس سے اُٹھتا ہے تو نیکیوں سے خالی اُٹھتا ہے۔ (۱۶) تم سے مسلمانوں کو تین باتیں ضرور ملنی چاہئیں۔ اگر اُسے نفع نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ اگر اُسے خوش نہیں کر سکتے تو اُسے رنج بھی نہ دو۔ اگر تعریف نہیں کر سکتے تو اُس کی بُرائی بھی نہ کرو۔

خلاصہ :- جملہ رذائل خصوصاً کبر، حرص و طمع۔ حسد۔ غیبت، تملق۔ شہوتِ دہن۔ شہوت فرج ہوائے نفسی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس ہوائے نفس سے بہت بچنا چاہئے۔

یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ کے "ترک ہوا" کے طفیل میں ہم پر بھی ترک ہوا و مخالفت نفس آسان کر دے۔ آمین۔

حزب ششم (روز پنجشنبہ) ترک غضب و نفاق

قرآن میں ہے اِدفع بِالّتی ھِیَ اَحسن۔ اِس کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں غصہ میں صبر و ضبط کرنا اور دوسروں کے بُرے سلوک کو معاف کر دینا ایسا ہے کہ جب کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو دشمنوں سے محفوظ کر دیتے ہیں اور اُس کا دشمن ایسا قابو میں آجاتا ہے کہ گویا بڑا جگری دوست ہے۔ قرآن میں ہے واذا ما غضبوا ھُم یغفرون یعنی اچھے لوگ وہ ہیں جو کسی پر غصہ ہوں تو اُسے معاف کر دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کچھ حکم اور نصیحت کیجیے۔ فرمایا دیکھو غصہ نہ کرنا۔ اُس نے کئی بار یہی درخواست کی اور آپ اس سے برابر یہی کہے گئے کہ دیکھو غصہ نہ کیا کرو (حدیث دوم) حضور نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں جیتے پہلوان تو بس وہ ہے جو غصہ آنے پر اپنے کو قابو میں رکھے۔ (حدیث سوم) حضور نے فرمایا۔ میں تمھیں جنت والوں کی نشانی بتاؤں۔ وہ لوگ وہ ہیں جو کمزور اور گمنام ہوں۔ اور سب کے سامنے جھکے ہوں۔ اور جہنمیوں کی نشانی بھی تمھیں بتا دوں۔ بد مزاج، مغرور۔ (حدیث چہارم) حضور نے فرمایا غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان کی پیدائش آگ سے ہے اور ظاہر ہے کہ آگ پانی سے بجھتی ہے تو تم مسلمانوں میں سے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لینا چاہئے۔ (حدیث پنجم) حضور نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہے تو اُسے بیٹھ جانا چاہئے اور اگر اتنے سے غصہ نہ جائے تو اُسے لیٹ جانا چاہیے۔ (حدیث ششم) حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ سب سے اچھا گھونٹ جو پیتا ہے وہ اس کا غصہ پی جانا ہے۔ جسے وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے پی جائے اور ضبط کرے۔ (حدیث ہفتم) حضور نے فرمایا غصہ ایمان کو بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (حدیث ہشتم) حضور نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار عرض کیا۔ خداوند آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے۔ ارشاد ہوا کہ جو قابو پا جانے پر درگذر کر جائے اور معاف کر دے۔ (حدیث نہم) حضور نے فرمایا جو اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کی کھلی بُرائی ڈھانکے گا اور جو اپنے غصہ کو روکے گا اللہ تعالیٰ اُس سے قیامت کے دن اپنا غصہ روک لے گا۔ اکابر محققین فرماتے ہیں (۱) غصہ شیطان کا حملہ ہے۔ اُس وقت شیطان انسان کو حد اعتدال سے

ظاہر میں بھی نکال دیتا ہے اور باطن میں بھی نکال دیتا ہے۔ چنانچہ گالی گلوچ۔ جھوٹ، بہتان سبھی کچھ بکنے لگتا ہے ایسی ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے جسے سب بُرا جانتے ہیں اِسی غصّہ سے وہ کینہ، بغض، قتل اور بعض وقت کفر تک کا ارتکاب کر گذرتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ (۲) ایک بزرگ نے شیطان سے پوچھا کہ ابن آدم پر تجھے پورا قابو کب ملتا ہے۔ کہنے لگا جب اُسے غصّہ آتا ہے (۳) ہمارے حضرت مولانا فتحپوری سے ایک شخص نے ضعف دماغ کی شکایت کی اور یہ بھی کہا دماغ کی کمزوری سے غصّہ بہت جلد آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ضعف دماغ کی وجہ سے غصّہ نہیں بڑھا ہے بلکہ غصّہ پہلے ہی سے بڑھا ہوا تھا اُسی سے ضعف دماغ پیدا ہوا ہے اور غصّہ ہی ایسی بُری چیز ہے جو انسان کے اخلاق کو الگ خراب کرتی ہے اور بدن کو الگ خراب کرتی ہے۔ آج ہر گھر میں جو رنجش اور فساد ہے وہ اسی غصّہ کی وجہ سے ہے اِس لئے غصّہ چھوڑیئے (نفاق) نفاق ایک قلبی مرض ہے چنانچہ قرآن کی آیت فی قلوبھم مرض میں مرض کی تفسیر علماء نے شک و نفاق ہی سے کی ہے۔ اِس سے مراد ظاہر و باطن کا تخالف ہے نفاق کی ضد اخلاص ہے (۵) نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصل اور اعتقادی یعنی دل میں کفر اور عناد جما ہوا ہے مگر بعض فاسد اغراض سے اس کو تو چھپایا جائے اور کفر کی دنیوی سزاؤں سے بچنے کے لئے زبان سے اسلام و ایمان ظاہر کیا جائے یہ قسم کفر بلکہ کفر سے بھی بڑھ کر ہے اور دوسری قسم نفاق عمل ہے یعنی دل میں اسلام ضرور ہے مگر ضروریات اسلام (توحید، قیامت، سزا و جزا) پر یقین اس درجہ کمزور ہے کہ معاصی اور لایعنی مباحات نہیں چھوٹتے۔ ان پر سزائے اُخروی ملنے کا دھیان نہیں آتا۔ یہ فسق کا ایک درجہ ہے اور بہت مضر ہے۔ (۶) یہ مرض جس قدر عام اور مہلک ہے اسی قدر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ حالانکہ یہی مرض آج ہماری تمام تر خرابیوں کی جڑ ہے اور ہماری بداعمالیوں کا سرچشمہ ہے۔ آج اِسی کو ہوشیاری پالیسی اور سکۂ رائج الوقت سمجھا جاتا ہے (۷) یہ خیال غلط ہے کہ آج نفاق و منافق کا وجود نہیں وہ تو زمانہ نبوی میں تھا۔ اِس میں اتنا تو صحیح ہے کہ ہم کسی شخص کو منافق نہیں کہہ سکتے اور اسلامی نام اور کام ظاہر میں دیکھنے کے بعد بھی اس کے دل کے اندر نفاق اصلی ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے یہ وحی سے معلوم ہوتا تھا اور وہ اب بند ہے۔ لیکن اب تو بس دو قسمیں ہیں جس کے کام اچھے ہوں گے وہ مسلمان ہے اور جس کے کام کفّار جیسے ہوں گے وہ کافر ہے (۸) شیخ سلیمان کا قول ہے کہ مفسد ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے کو مصلح و نیکوکار کہنے والے صرف وہی نہیں ہیں جو زمانہ نبوی میں تھے بلکہ آئندہ بھی ایسے لوگ ہوں گے جن کی حالت انھیں جیسی ہوگی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ امراء کے مصاحبین تم کو بالکل اُسی طرح

کے ملیں گے۔ (۹) حسن بصری سے کہا گیا کہ اس زمانہ میں نفاق کا وجود نہیں۔ فرمایا میرے بھائی منافقین ہیں کیوں نہیں ساری دنیا جو آباد نظر آتی ہے وہ ان نفاقوں ہی سے تو آباد ہے اگر ان کا خاتمہ ہو جائے تو بستیاں ویران ہو جائیں۔ ہو کا عالم ہو جائے اور تم لوگ راستہ چلتے ڈرو۔ (۱۰) ابن ملیکہ کہتے ہیں کہ میں ایک سو تیس یا ایک سو پچاس صحابہ سے ملا ہوں وہ سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اپنے کو نفاق سے بری سمجھے وہ بھی منافق ہے اور جو اپنے اوپر اس سے ڈرتا ہے وہ مسلمان ہے۔ یا اللہ مشائخ چشتیہ صابریہ کے اخلاص کے طفیل میں ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر دیجئے۔ آمین۔

حزب ہفتم روز جمعہ

صحبۃ الشیخ واطاعۃ الشیخ

قرآن۔ آیت اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحبت ثابت کر دی تو فوراً ہی (اس کا ثمرہ یعنی شیخ کا) اپنے صاحب پر شفقت کا اظہار بھی کر دیا کہ لا تحزن یعنی تم ذرا رنج نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں تو دیکھئے شریف آدمی کو اپنے ساتھی پر شفقت ضرور ہوتی ہے۔ (۱) ابن ادہمؒ کے پاس ایک آدمی (مرید) رہنے لگا۔ جب چلنے لگا تو اُس نے عرض کیا کہ میرے اندر کوئی عیب آپ دیکھیں تو مجھے تنبیہ کر دیں۔ فرمایا میں نے تو تمھیں دوستی کی آنکھ سے دیکھا تھا اس لئے مجھے تمھارے اندر کوئی عیب نظر نہیں آیا بلکہ تمھاری جو بات دیکھی پسند آئی عیب پوچھنا ہو تو کسی اور سے پوچھ لینا۔ (۲) ہر جدائی کی ابتدا مخالفت ہی سے ہوتی ہے۔ (۳) جس شخص نے اپنے شیخ کی مخالفت کی تو وہ اُس کے طریق پر باقی نہیں رہا۔ پھر چاہے وہ دونوں ایک ہی جگہ رہیں مگر باطنی تعلق ختم ہو جاتا ہے (۴) جو شخص عقیدت سے کسی شیخ کے پاس رہ چکا ہو پھر بعد میں دل سے اُس پر اعتراض کرنے لگا ہو تو اُس نے محبت وارادت کا عہد توڑ دیا اب وہ ارادتمند نہیں رہا اُس پر توبہ واجب ہے مگر شیوخ کا قول یہ بھی ہے کہ استادوں کے حقوق کو جو فوت کرے اُس کی توبہ قبول نہیں (یعنی استاد و شیخ بغیر سزا دیے اُس کی توبہ قبول نہ کیا کریں۔ کذا سمعتہ من شیخی الفتحپوری زادہ اللہ فتحاً)۔ (۵) قرآن میں ہے کہ اے ایمان والو اللہ کا ڈر دل میں پیدا کرو اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) بزرگوں نیکو کاروں کے ساتھ رہو۔ پاس بیٹھو کیونکہ انسان کے کمالات کسبی اور

تعلیمی ہوتے ہیں اور حیوانات کے کمالات فطری اور پیدائشی۔ چنانچہ تیرنا وغیرہ حیوانات میں پیدائشی ہوتا ہے اور انسان کو بدون سیکھے نہیں آتا۔ بزرگوں کی صحبت افضل العبادت ہے۔ اس وجہ سے کہ بزرگوں کی استقامت دیکھ کر سالک کے اندر بھی قوت وہمت پیدا ہوتی ہے جس سے عبادتوں کی مشقت برداشت کرنا سہل ہو جاتا ہے اور بزرگوں کا جمال دیکھ کر سالک کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جس سے شک وشبہہ کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔

ملنے کا پتہ :-

یہ کتاب ادارۂ اشرفیہ روشن باغ الٰہ آباد

اور

۲۱۶ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد

طلب فرمائیں